قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون : ثریا عندلیب

ناشر : شیخ عبدالحمید

طابع : خالد منصور نسیم

مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز

۳/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵

ٹیلیفون ——— ۷۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۳ ——— دسمبر ۱۹۹۰ء ——— شمارہ ۱۲

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۶۰ روپے

بیرونی ممالک ——— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے

فی پرچہ : -/۵ روپے

فہرستِ مضامین

۱ ——— التماس ——— ۲

۲ ——— لمعات ——— ۳

۳ ——— درسِ قرآن ——— ۱۰

۴ ——— قانون کا شعور ——— ۱۳

۵ ——— زندگی کا مقصد ——— ۱۵

۶ ——— قائدِ اعظم محمد علی جناح ؒ ——— ۱۷

۷ ——— نہ ملتا گر یہ توبہ کا سہارا ——— ۲۳

۸ ——— قصاص اور دیت ——— ۳۱

۹ ——— قانونِ وصیت ——— ۳۴

۱۰ ——— حقائق و عبر ——— ۴۱

۱۱ ——— سیاسی پارٹیاں ——— ۴۴

۱۲ ——— شاتمِ رسول کی سزا قید یا موت؟ ——— ۵۸

۱۳ ——— تقدیر ——— ۶۲

14 SHARIAT & IQBAL 73.

15 SHARIAT PETITION 77.

16 BOOK REVIEW 80.

(ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے متفق ہونا ضروری نہیں)

التماس

۱۹۹۰ء کے لئے آپ کا زرِ شرکت ختم ہوتا ہے

۱۹۹۱ء کیلئے

مبلغ ۶۰ روپے بذریعہ چیک، بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر،
دسمبر ۱۹۹۰ء ہی میں ارسال فرما دیجئے

تاکہ

ترسیلِ رسالہ منقطع نہ ہونے پائے

پرچہ بذریعہ وی۔پی آپ کے کہنے پر ہی بھجوایا جائیگا

یہی التماس

ان حضرات کے لیے بھی ہے جنہیں پرچہ تحفتہً یا اعزازی
طور پر بھجوایا جاتا رہا ہے

قرآنی تعلیمات کو پھیلانے میں بھرپور حصہ لیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں ہم نے ملک میں انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے دُعا کی تھی کہ ملک میں ایسا طبقہ برسرِ اقتدار آجائے جو

۱۔ ایسا نظام قائم کرے جس میں تمام لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کریں۔
۲۔ تمام افرادِ معاشرہ کے لئے سامانِ نشوونما مہیا کرے۔
۳۔ ایسے قوانین نافذ کرے جو قرآن کی رُو سے قابلِ قبول ہوں۔
۴۔ ایسے قوانین اور رسوم کو منسوخ کرے جنہیں قرآن ناپسند کرتا ہے۔
۵۔ اس کے تمام معاملات اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ہوں جسے خدا نے نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے تجویز کیا ہے۔

انتخابات کے نتیجہ میں جو قیادت برسرِ اقتدار آئی ہے وہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں کو بلا خوفِ مزاحمت پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی پوزیشن میں ہے۔ لہٰذا ہم اربابِ حکومت کی خدمت میں کچھ گذارشات پیش کرنا چاہتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان پر نہایت سنجیدگی سے غور کیا جائیگا۔

۱۔ نفاذِ شریعت

پاکستان میں قدامت پرست طبقہ کی طرف سے اُٹھتے بیٹھتے یہ کہا جاتا ہے کہ قانون سازی کے سلسلے میں علماء کرام سے پوچھئے۔ سینٹ کے منظور کردہ شریعت بل کا مقصد بھی اس سے چنداں

مختلف نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حضرات اپنے اپنے فرقے کے لئے قوانین بنا سکتے ہیں لیکن ایسا ضابطۂ قوانین مرتب کرنا ان حضرات کے بس کی بات نہیں جس کا اطلاق پاکستان کے تمام مسلمانوں پر یکساں ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مملکت اس طرح چل بھی سکتی ہے کہ اس میں مختلف گروہوں کے لئے مختلف قوانین ہوں اور پورے ملک کے لئے مشترکہ قانون ہی موجود نہ ہو

ہم نے اور ہماری اولاد نے بالآخر اسی ملک میں زندگی بسر کرنی ہے اس لئے ہم قانون ساز اداروں اور اربابِ حکومت سے مستدعی ہیں کہ مجوزہ شریعت بل کو اسمبلی میں لانے سے پہلے ایک تجربہ کریں۔ وہ یہ کہ شیعہ، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور جماعت اسلامی جیسے معروف فرقوں سے ایک ایک نمائندہ لے کر علماء کا ایک بورڈ بنا دیں اور ان سے کہیں کہ وہ آزمائش کے طور پر عائلی قوانین کا ایک ایسا ضابطہ مرتب کردیں جو ان سب کے نزدیک متفق علیہ ہو اور جس کا اطلاق پاکستان کے تمام مسلمانوں پر یکساں طور پر ہو سکے۔ ہمیں یقین ہے وہ ایسا نہیں کر پائیں گے کیونکہ وہ اگر متفق ہو سکتے ہیں تو صرف اسلام کے بٹوارے پر۔ ایک اسلام ان حضرات کو نہ پہلے کبھی راس آیا، نہ اب راس آئے گا۔ اس تجربے میں کچھ وقت تو ضرور ضائع ہوگا لیکن اس سے پاکستان میں نہ صرف قانون سازی کے راستے صاف ہو جائیں گے بلکہ سیاسی مفاد پرستوں کے لئے مذہب کی آڑ میں جو خلفشار پیدا کیا جا رہا ہے اس سے بھی نجات مل جائے گی۔ رہا نفاذِ شریعت کا معاملہ، تو یہ طلوع اسلام کے ایمان کا حصہ ہے۔ طلوع اسلام اس پر اتنا کچھ لکھ چکا ہے کہ اسے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ معاشی بدحالی

ملک کی معاشی بدحالی موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا فطری نتیجہ ہے اور اس کا کماحقہٗ ازالہ نظام کی تبدیلی سے ہی ہو سکتا ہے لیکن ہمیں اس کا احساس و اعتراف ہے کہ کوئی معاشی نظام، شبا شب بدلا نہیں جا سکتا۔ اسے بتدریج ہی بدلا جا سکتا ہے۔ کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ جس نظام کو آخر الامر قائم کرنا مقصود ہو تو، اس کے خط و خال کی متعین طور پر وضاحت کر کے، پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ اس طریق کار کے مطابق، اس وقت سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ ممتاز شہریوں کی ایک مختصر سی کمیٹی کو ساتھ لے کر، اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ ایک متوسط گھرانے کی بنیادی ضروریاتِ زندگی ــــ کھانا، کپڑا، مکان، علاج معالجہ وغیرہ ــــ کم از کم کتنے روپے ماہوار میں پوری ہو سکتی ہیں۔ یہ وہ رقم ہوگی جس کا مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ ملازمین کی کم از کم تنخواہ یہ ہوگی۔ مزدوروں کی کم از کم اُجرت یہ ہوگی۔

جو لوگ کام کرنے سے طبعی طور پر معذور ہوں، یا جنہیں کام میسر نہ آتا ہو، ان کا کم از کم الاؤنس اس قدر ہوگا۔ (علاج معالجہ میں صرف روزمرّہ کی عام شکایات شامل ہوں گی۔ شدید قسم کے امراض، حادثات اور زچگی وغیرہ کا انتظام حکومت کی طرف سے الگ ہوگا)۔ یاد رکھیئے جس طرح ایک بزرگ خاندان (مثلاً باپ) کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افرادِ خاندان کی ضروریاتِ زندگی پوری کرے، اسی طرح (قرآنی تصوّرِ مملکت کے مطابق) ملک کی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ افراد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرے۔ اگر اس کی آمدنی کم ہے تو وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کی صورت پیدا کرے اور جس قدر آمدنی ہے اس کی تقسیم اس طرح کرے کہ افرادِ خاندان میں سے کسی کی ضرورت رُکی نہ رہے۔ ملک کی خوشحالی کا ثبوت ہی یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔ اسی سے حقیقی امن اور اطمینان پیدا ہوسکتا ہے۔

۳۔ ہوش ربا گرانی

اس وقت ملک کی حالت یہ ہے کہ آج ایک چیز کی قیمت پانچ روپے ہے۔ کل اسی دکاندار سے وہی چیز مانگئے تو وہ اس کی قیمت سات روپے بتائے گا۔ اس سے اس کی وجہ دریافت کیجئے تو وہ جواب میں کہے گا کہ صاحب! آج بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ ("چڑھ گیا ہے" اس طرح کہہ دیتے ہیں جیسے کوئی بندر درخت پر خود بخود چڑھ جائے!) عام شہری بے چارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ بھاؤ چڑھتا کیسے ہے اور اسے چڑھاتا کون ہے۔ اسے ہر حال، اسی چڑھے ہوئے بھاؤ کے مطابق چیز خریدنی پڑتی ہے۔ اور جو بھاؤ ایک مرتبہ چڑھ جاتا ہے، وہ پھر نیچے کبھی نہیں آتا، اوپر ہی چڑھتا چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف حکومت کی نگرانی میں کام کرنے والے "کواپ" اور "یوٹلٹی" سٹورز کا تجربہ تقریباً ناکام ہو چکا ہے کیونکہ ان سٹورز پر اوّل تو دستیاب ہی گنتی کی چند چیزیں ہوتی ہیں اور اس پر عملے کا رویّہ کاروباری کم، اور افسرانہ زیادہ ہوتا ہے۔ مہنگائی کا مسئلہ منجملہ دوسرے مسائل کے، نو منتخب حکومت کی اوّلین توجہ کا محتاج ہے۔

۴۔ رشوت کی لعنت

رشوت، اس معاشی نظام کا منطقی نتیجہ ہے جس میں کسی فرد کو مستقبل کی معاشی ضمانت (SECURITY) حاصل نہیں ہوتی، اس لئے وہ ہر جائز و ناجائز طریق سے دولت سمیٹنے کی فکر اور جائیدادیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اس کا کلی خاتمہ تو معاشی نظام کی تبدیلی ہی سے ہوگا لیکن اس کی فوری اصلاح کے لئے چاہیئے یہ کہ حکومت، اپنے ملازمین کو، ان کی اور ان کے بال بچوں کی پوری معاشی ضمانت دیدے

اور اس کے بعد ان کے لئے ذاتی املاک (پرائیویٹ پراپرٹی) قانوناً ممنوع قرار دیدے۔

تعلیم کی ذمہ داری

مملکت کے ہر بچہ کی تعلیم کی ذمہ داری حکومت پر ہونی چاہیئے۔ حکومت، ایک خاص درجہ تک عام تعلیم دینے کے بعد جائزہ لے کہ کون سے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں مزید تعلیم دی جائے۔ پھر ایک خاص اسٹیج پر طالب علموں کو ان کی افتادِ طبیعت اور ملک کی ضروریات کے پیشِ نظر مختلف شعبوں کی اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ جنہیں باہر بھیجنا مفید ہو انہیں باہر بھیجا جائے اور ہر فارغ التحصیل طالب علم کے لئے اس کی تعلیم اور صلاحیت کے مطابق کام مہیا کیا جائے۔ آپ دیکھئے گا کہ اس طرح وہ خلفشار بھی کس طرح خود بخود دُور ہو جاتا ہے جو اس وقت طلبا میں پایا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر طلبا کا مسئلہ بھی معاشی ہے۔ یہ سیاسی رُخ اس لئے اختیار کر لیتا ہے کہ ان کے سامنے معاشی دروازے کھلے نہیں ہوتے۔

باقی رہا نصابِ تعلیم میں اسلامیات کا حصہ، تو اس کا فائدہ اسی صورت میں ہوگا جب طالب علموں کو قرآن کریم میں بیان کردہ مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولِ زندگی کی تعلیم دی جائے اور سیرت و تاریخ میں سے صرف وہ کوائف سامنے لائے جائیں جو ان اقدار کی عملی تشریح کرتے ہوں۔ یہ تعلیم تمام طالب علموں کے لئے یکساں ہونی چاہیئے۔

٦۔ عدل

موجودہ نظام کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایک مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کیلئے گرانبار اخراجات کا زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ کسی مقدمہ میں جو فریق بھی برسرِ حق ثابت ہو، اس پر حصولِ عدل اور دادرسی کے لئے کسی قسم کا بار نہیں پڑنا چاہیئے۔ نیز مقدمات کے فیصلہ میں آجکل جس قدر ناقابلِ برداشت تاخیر ہوتی ہے اس سے نہ صرف انصاف کا گلا گھٹ جاتا ہے بلکہ ملک کی آبادی کے ایک معتدبہ حصہ کا وقت اور توانائی بُری طرح ضائع ہو جاتی ہے۔ اس سے ملک کی مجموعی دولت کی پیدائش پر جس قدر مضر اثر پڑتا ہے وہ بالکل واضح اور عیاں ہے۔ اس مقصد کے لئے کمیشن تو بہت بٹھائے گئے لیکن پرنالہ وہیں کا وہیں رہا۔ اس کی ایک بڑی وجہ موجودہ قوانین کا پیچیدہ اور مبہم ہونا ہے۔

حصولِ عدل کے معاملہ میں ہمارے ہاں کا طبقۂ نسواں بڑا ہی مجبور و مظلوم واقعہ ہوا ہے۔ عائلی قوانین نے ان بیچاریوں کو کچھ تھوڑی سی سہولتیں بہم پہنچائی تھیں لیکن نظم و نسق کی بے ضابطگیوں سے وہ بھی معطل ہو کر رہ گئی

...سلہ میں نہایت ضروری ہے کہ فیملی کورٹس کی جج، خواتین ہوں۔ ہمارے ہاں کی عورت، کسی عورت ...ئے تو اپنی بات بیان کر سکتی ہے، مرد کے سامنے نہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو عورت، اپنے ...خاوند سے گلوخلاصی کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے، اور اس کی حفاظت کا اپنا انتظام نہ ہو، ...ت اس کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کرے۔ خاوند کے خلاف قانونی شکایت کے بعد، وہ اس کے ...پے آزار ہو جاتا ہے اور مختلف حربوں سے اُسے اس قدر تنگ کرتا ہے کہ وہ بے چاری مجبور ہو کر، اپنی ...یت واپس لے لیتی ہے اور جب وہ اس کے بعد پھر اسی چنگل میں پھنس جاتی ہے تو وہ انتقام جوئی کے ...ے کے ماتحت اس پر پہلے سے بھی زیادہ مظالم توڑتا ہے اور اس سے مخلصی حاصل کرنے کی اس مظلوم کے ...اس کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ضرورت ہے کہ حکومت نظامِ عدل و عافیت اس طرف خصوصی توجہ دے۔ دنیا ...اس کوئی معاشرہ مہذب تو کجا شریف نہیں کہلا سکتا اگر اس میں عورت محفوظ نہیں۔

شکایات کی شنوائی

اس وقت حکومت کے دفاتر میں جس قدر دھاندلی مچ رہی ہے، کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس کے ...لاف شکایت کر کے دادرسی حاصل کی جا سکے۔ ویسے تو ہر نیا حاکم، اپنے تقرر کے بعد، عام اعلان کرتا ہے کہ ...س نے اپنے دروازے پر "عدلِ جہانگیری" کی زنجیر لٹکوادی ہے لیکن یہ زنجیر لٹکی کی لٹکی رہ جاتی ...ہے بلکہ بعض اوقات فریادیوں کے لئے الٹی زنجیر پا بن جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہر دفتر کے ساتھ ایک ایسا اعلیٰ ...پایہ کا با اختیار افسر تعینات ہو جس تک ہر فریادی رسائی حاصل کر سکے اور وہ اس کی شکایت کی تحقیق کر کے ...انصاف کا تقاضا پورا کرے۔

اس قسم کے افسر، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ہونے چاہئیں۔ اگر کسی کو معلوم (بلکہ یقین) ہو کہ ایک ...مقام ایسا ہے جہاں میری شنوائی ہو سکتی ہے تو اس کے دل میں ایجی ٹیشن کا جذبہ ابھرتا ہی نہیں۔ اشتعال تو ...مایوسی کے ردِ عمل کا نام ہے — آپ کو معلوم نہیں کہ شیطان (سرکشی) اور ابلیس (مایوسی) ایک ہی سکہ ...کے دو رُخ ہیں۔ بلی اس وقت حملہ کرتی ہے جب وہ کمرے کے سب دروازے بند پاتی ہے۔ اس وقت افراد ...معاشرہ جو ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہیں اپنی شکایات کی چارہ جوئی ...کے لئے کوئی دروازہ کھلا نہیں ملتا۔

۸۔ حکام کا رویہ — انگریزوں کو اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ یہاں کے عوام کو

محکوم اور اپنے آپ کو حاکم سمجھیں۔ انہوں نے افسروں کے لئے، اصطلاح تو وہی رائج کی جو ان کے اپنے ملک میں مروّج تھی۔ یعنی پبلک سرونٹس — عوام کے خادم — لیکن عملاً وہ رہے حاکم کے حاکم ہی۔ ہم نے نظامِ حکومت انہی سے ورثہ میں پایا ہے اور اگرچہ اب صورت یہ ہے کہ ملک میں کسی کو محکوم سمجھنا، پاکستان کی آزادی کے دعوے کے منافی ہے، لیکن عملاً ہمارے عمّالِ حکومت، اپنے آپ کو انگریزوں جیسا حاکم اور افرادِ معاشرہ کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں — حتیٰ کہ اگر کوئی "داروغہ صفائی" بھی کسی راہرو سے بات کرتا ہے تو ایسی رعونت سے گویا اسے اختیاراتِ شاہی حاصل ہیں۔ عمّالِ حکومت کے اس ذلّت آمیز رویہ نے بھی ملک میں انتظامیہ کے خلاف جذباتِ نفرتِ عام کر رکھے ہیں۔ ضرورت ہے کہ علامہ اقبالؒ کی یہ نصیحت ایوانِ حکومت کے ہر در و دیوار پر کندہ، اور عمّالِ حکومت میں سے ہر ایک کے لوحِ قلب پر نقش کر دی جائے کہ

بملا زمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ جہاں توانا گرفتن بہ نوائے دلگدازے

۹۔ تشدّد کا استعمال

اس میں شبہ نہیں کہ بعض اوقات ایسا مقام آجاتا ہے جہاں امنِ عامہ کے قیام اور پُرامن شہریوں کے جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت کے لئے حکومت کی طرف سے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن قوّت کے استعمال کا فیصلہ بڑے ہی غور و تدبّر کے بعد نہایت ٹھنڈے دل سے کرنا چاہیئے اور اس طریق کو اس وقت اختیار کرنا چاہیئے جب حفظِ امن کی اور کوئی صورت باقی نہ رہے۔ تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ کسی ایک موقعہ پر بھی قوت کا بے جا، یا زاید از ضرورت استعمال، امنِ عامہ قائم کرنے کے بجائے الٹا اشتعال اور فساد کا موجب بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم ایک بات پبلک کے گوش گزار کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ پولیس جب کسی ہجوم پر لاٹھی چارج کرتی ہے تو وہ از خود ایسا نہیں کرتی۔ اسے کوئی افسر مجاز (مثلاً مجسٹریٹ علاقہ وغیرہ) ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے، اور وہ اس حکم کی تعمیل میں ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہ حکم، درحقیقت اس مجسٹریٹ کا بھی نہیں ہوتا۔ وہ حکومت کی طے شدہ پالیسی کے ماتحت ایسا کرتا ہے۔ بنا بریں، اس قسم کے واقعات میں، پولیس یا مجسٹریٹ کیخلاف غم و غصہ کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیئے۔ دوسری طرف حکومت کو بھی چاہیئے کہ ایسے مواقع پر، آگے بڑھ کر ذمہ داری اپنے اوپر لے (اگر کسی افسر نے حکومت کے فیصلہ کیخلاف کچھ کیا ہے تو اس سے محکمانہ طور پر باز پرس کرے) موجودہ حالات میں افسرانِ متعلقہ عجیب مخمصہ میں گرفتار ہو جاتے

ہیں۔ وہ اگر حکومت کے فیصلوں پر عمل درآمد نہیں کرتے، تو اس کی نظروں میں معتوب ہو جاتے ہیں۔ عمل کرتے ہیں تو پبلک کی نگاہوں میں مطعون قرار پا جاتے ہیں ــــ غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را ــــ ملازم حکومت کی ایک حیثیت ذاتی ہوتی ہے اور دوسری حیثیت بہ لحاظِ منصب۔ اگر وہ اس دوسری حیثیت میں اپنے فرائض مفوضہ سرانجام دیتا ہے۔ تو حکومت کا فریضہ ہونا چاہیئے کہ اس کی ہر طرح سے حفاظت کرے۔ اس سلسلہ ہم اپوزیشن کے لیڈروں سے بھی گذارش کریں گے کہ اس قسم کے اقدامات پر افسرانِ ماتحت کو مطعون نہ کریں۔ انہیں مطعون کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ انہیں تلقین کرتے ہیں کہ وہ حکومت کے احکام یا فیصلوں کی تعمیل نہ کریں۔ اب آپ سوچئے کہ اگر آپ نے انہیں یہ سبق پڑھایا اور کل کو آپکی حکومت قائم ہو گئی تو آپ ان سے اپنے فیصلوں کی تعمیل کیسے کرائیں گے؟ ملک کا نظم و نسق تو اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ ملازمین، جب تک ملازمت میں رہیں، حکومتِ وقت کے وفا شعار رہیں اور حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ پبلک کے سامنے اپنے فیصلوں کی جوابدہی خود کرے، نہ کہ آپ پیچھے رہیں اور افسرانِ ماتحت کو عوام کا ہدفِ ملامت بننے دیں ــ

سُن رکھیئے!

جنگ کی ایک خاص قسم ہے جسے اعصابی جنگ (WAR OF NERVES) کہتے ہیں۔ اس میں دشمن کرتا یہ ہے کہ چاروں طرف سے شور و غل مچاتا ہے۔ خواہ مخواہ کھڑ کھڑاہٹ پیدا کرتا ہے۔ جھوٹی دھمکیاں دیتا ہے۔ اپنی بڑی بڑی تیاریاں بتاتا ہے۔ مقصد اس سے صرف یہ ہوتا ہے کہ ان وحشت انگیز ہولناک خبروں سے قوم مخالف کے اوسان خطا ہو جائیں۔ ان میں گھبراہٹ پیدا ہو جائے۔

ہندو آج کل بالکل یہی کر رہا ہے۔ کہیں کشمیر میں اپنی فتوحات کے ڈھول پیٹتا ہے۔ کبھی پاکستان پر حملہ کرنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ مطلب اس سب سے صرف یہ کہ پاکستان کے مسلمانوں پر خوف طاری ہو جائے اور وہ اپنے حوصلے ہار دیں

پاکستان کے مسلمانو! اگر تم نے ان دھمکیوں کا اثر قبول کر لیا تو دشمن اپنے حربہ میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر تم نے یہ سب کچھ سُن کر بھی اپنے دلوں کو مضبوط رکھا تو ہندو تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ دیکھنا کہیں اپنے اندر خلفشار نہ پیدا ہونے دینا۔

علّامہ غلام احمد پرویزؒ کا درسِ قرآن کریم

درج ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دِن	وقت
لاہور	۲۵/بی گلبرگ ۲ (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	۳۰ — ۹ بجے صبح
چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ۔ پیر بھٹہ بازار	〃	بعد از نمازِ مغرب
پشاور	برمکان محترم عبدالرزاق، نزد چوک شہیداں قصہ خوانی بازار	بدھ	〃 〃
کوئٹہ	۱۶۶/ڈی۔ جائنٹ روڈ	جمعۃ المبارک	۴ بجے صبح
ملتان	شاہ سنز، بیرون پاک گیٹ	〃	۱۰ بجے صبح
کراچی	۲۲۸ شرف آباد، رابطہ محترم خالد گل فون ۸۷۲۸۷۱ ۵۲۷۲۲۹	〃	۳۰ — ۹ بجے صبح
پیر محل	مکان نمبر ۱۴۰/۱۳۹ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	۹ بجے صبح
گوجرانوالا	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نمازِ جمعہ
سرگودھا	۶۰۔اے سول لائنز ریلوے روڈ	〃	۹ بجے صبح
سید حسن	برمکان محترم سید محمد حسین	〃	۳ بجے شام

شہر	مقام	دن	وقت
جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد جی۔ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	۶ بجے شام
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	〃	۳ بجے سہ پہر
چک ۲۱۵ ای بی	برمکان، چوہدری عبدالحمید	〃	۸ بجے صبح
ایبٹ آباد	۲۳۴ کے ایل کیہال	〃	۱۰ بجے صبح
برمنگھم یوکے	229 ALUM ROCK ROAD BIRMINGHAM	اتوار 〃	۳ بجے سہ پہر
ٹورنٹو	716 THE WESTMALL 1804 ETOBICOKE PH:(416)626.6781.661	ہر ماہ پہلا اتوار	۱۱ بجے صبح
اوسلو	RAADHUS GT 20 OSLO	〃	۵ بجے شام
ڈنمارک	GL KONGEVEJ 47, 3TH DK 1610 KBH V DENMARK	ہر ماہ آخری ہفتہ	۲ بجے سہ پہر
حیدرآباد	گولڈن سینٹری۔عثمان آباد	جمعۃ المبارک	۵ بجے شام
لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	〃	بعد نماز مغرب
لندن	76 PARK RD ILFORD ESSEX TEL 081-553-1896	ہر ماہ پہلا اتوار	۳۰—۲ بجے سہ پہر
فیصل آباد	محمد صدیق اینڈ سنز۔گلی ۱۳	ہر سوموار	۴ بجے شام

READ, UNDERSTAND AND FOLLOW TEACHINGS OF QURAN

سپاہی کی ذمہ داری

بدر کا میدان ہے۔ جماعتِ مومنین اور حق کے مخالفین کی پہلی جنگ ہے۔ جماعتِ مومنین میں وہ تین سو تیرہ نفوسؓ شامل ہیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ، حق کی مدافعت کے لئے، شمشیر بکف اور کفن بدوش، میدانِ کارزار میں آ گئے۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے متعلق، اس فوج کے سپہ سالار، حضور نبی اکرمؐ ابھی ابھی نہایت والہانہ انداز سے بحضور رب العزت عرض کر چکے ہیں کہ

> بارالٰہا! یہ بے ساز و سامان مجاہدوں کی مٹھی بھر جماعت، حق کی حفاظت کے لئے اس میدان میں نکل آئی ہے۔ اگر یہ آج ختم ہو گئی تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

یہ ہے اس جماعت کے سپاہیوں کا مقام اور یہ ہے ان کا ایمان لیکن اس کے باوجود، عین میدان جنگ میں، خدا کی آواز ان سے کہتی ہے کہ

> وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ (۸/۱۶)

> یاد رکھو! آج کے دن جس نے میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھادی ۔ بجز اس کے کہ وہ لڑائی کی کسی ضرورت کے لئے پینترا بدلے یا اپنے لوگوں کے ساتھ ملنے کے لئے ایسا کرے ۔ تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا کا غضب اس پر نازل ہو جائیگا۔ وہ سیدھا جہنم میں جائیگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

آپ نے دیکھا کہ جہاں حق کی خاطر لڑنے والے سپاہی کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہ جان دیدیتا ہے تو شہید کہلاتا ہے، اور فاتح و منصور لوٹتا ہے تو غازی بنتا ہے، وہاں اس کی ذمہ داری کا یہ عالم ہے کہ وہ اگر میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے، تو وہ سیدھا جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

یہ ہے وہ "بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط" جس پر سے مسلمان سپاہی کو گزرنا پڑتا ہے اور ــــ

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

ثریا عندلیب

قانون کا شعور

جب انسانی ذہن اپنے عہدِ طفولیت میں تھا تو نہ کائناتی حادثات کے اسباب کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا نہ مختلف حوادث کے باہمی ربط یا ہم آہنگی کا اسے کوئی احساس تھا۔ اسی ناسمجھی کے نتیجے میں انسان کی اپنی زندگی بھی نظم و ضبط سے بیگانہ تھی۔ اس میں کسی قاعدہ قانون کا کوئی دخل نہ تھا۔ قرآن آیا تو اس نے انسان کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ قانون کی حکمرانی ہے۔ چھوٹے چھوٹے ذرات ہوں یا بڑے سے بڑے کرے، ہر جگہ قانون کی عملداری ہے۔ چنانچہ اس کارگاہ میں حادثات یوں ہی رونما نہیں ہو جاتے۔ یہاں ہر واقعہ علت و معلول کے قانون کے مطابق رو بہ عمل ہوتا ہے اور تمام حادثات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قانون کو اس قدر ہمہ گیر بنایا ہے کہ اور تو اور، خود اپنے اختیارِ مطلق کو بھی قانون کا پابند بنا لیا۔

قرآن کے دیئے ہوئے اس انقلاب آفریں تصور نے انسانی دُنیا کا زاویۂ نگاہ سائنٹفک بنا دیا۔ اس سے ذہنِ انسانی میں قانون کا شعور بیدار ہوا۔ نوعِ انسان نے قانون کا احترام کرنا سیکھا۔ اندھا دھند اپنے جذبات کے پیچھے چلنے کی بجائے عقل و فکر کو اپنا راہبر بنایا۔ اپنے مؤقف اور دعوے کو دوسروں پر جبراً تھوپنے کی جگہ دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرنے کا طریقہ اپنایا۔ اختلافی مسائل میں جھگڑنے کا رویہ چھوڑ کر دوسرے کے نقطۂ نگاہ کو سمجھنے اور غور کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ جان لینے پر کہ جب قانون اور قاعدہ کے تحت کوئی کام کیا جائے تو عمل اور اس کے نتیجے میں وقفہ ہوتا ہے۔ افرادِ انسانیہ میں تحمل، بردباری، استقامت اور استقلال کے جوہر پیدا ہوئے۔ جب عمل کا نتیجہ عمل کے مطابق صحیح نکلا تو اس کے لئے مقرر شدہ قانون مستحقِ ستائش ہوا نہ کہ انسان کی اپنی کارگزاری۔ اب ان معتقدات کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار ان کے نتائج قرار پا گئے۔ یعنی صحیح عقیدہ وہ ہوا جو عمل میں آکر خوشگوار اور حیات بخش نتائج برآمد کرے اور غلط وہ جس کے نتائج نقصان رساں

اور ناخوشگوار نکلیں۔ اب انسانی ذہن نے یہ آگہی پالی کہ جو عقیدہ محض خیال سے وابستہ ہو اور عمل سے اس کا تعلق نہ ہو۔ وہ عقیدہ بے حقیقت اور بیکار محض ہے۔ قانون کے نتائج صرف انفرادی سعی سے رُونما نہیں ہوتے۔ یہ ہمیشہ اجتماعی کوششوں کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ اس میں کام کرنے والے افراد ایک ٹیم کی صورت میں مل کر کام کرتے ہیں۔ جس سے ان کے درمیان تعاون وتناصر کی فضا پیدا ہوتی ہے اور زندگی نظم وضبط کی حامل بنتی ہے۔ اس کی صحیح عملی مثال صدرِ اوّل کی وہ امتِ مسلمہ تھی جو ان خصوصیات کی بنا پر اس وقت کی دنیا پر غالب آئی اور اس کی سرفرازی کا ڈنکا ہر سو بجا۔ بلاشبہ یہ کامیابی وکامرانی اس بنیادی تصور کا نتیجہ تھی جس کی رُو سے قرآن کریم نے اُمتِ مسلمہ میں قانون کا شعور پیدا کر دیا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ مفاد پرست گروہ نے اللہ کے عطا کردہ دین (قرآن) کو مذہب میں بدل ڈالا۔ جس کا انحصار سراسر جذبات پر ہوتا ہے۔ جس کا قانون سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یوں قانون کا شعور ختم کر دینے سے مسلمانوں کی وہ خصوصیات بھی ختم ہو گئیں جن سے ان کو دنیا کی امامت حاصل ہوئی تھی۔

دنیا میں آج بھی اسی قوم کا سر بلند ہے جو قانون کا شعور رکھتی اور اس کا احترام کرنا جانتی ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ لمحۂ فکریہ نہیں؟ زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ بیسویں صدی ختم ہونے کو ہے۔ کیا ہم قانون سے بدستور لاتعلق رہ کر اکیسویں صدی کا ساتھ دے سکتے ہیں؟؟

ضرورتِ رشتہ

شعبہ درس وتدریس سے وابستہ قرآنی گھرانے کی ایک بیٹی جس کی عمر تیس سال اور تعلیم بی۔ اے ہے، کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

معرفت ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵/ بی گلبرگ ۲۔ لاہور

محمد سلیم قمر

زندگی کا مقصد

انسانی زندگی کا مقصد قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے۔ اس سلسلے میں زندگی کے دو نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک نظریہ زندگی صرف طبیعی زندگی کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے حاملین کا مطمعِ نظر، بقول اکبر الہ آبادی اتنا ہی ہے۔

پیدا ہوئے، بی اے کیا، نوکر ہوئے — پنشن ملی اور مر گئے

یعنی جو باتیں جسم کی زندگی سے متعلق ہیں وہ پوری ہوتی رہیں۔ اس کے بعد موت آئے گی تو زندگی ختم ہو جائے گی اور بس۔ قرآن کے نزدیک یہ حیوانی زندگی ہے جس کا صرف جسم سے تعلق ہے جبکہ انسانی زندگی صرف جسم سے عبارت نہیں۔ انسانی زندگی کو جسم کے علاوہ ایک اور شے عطا ہوئی ہے جو اسے حیوان سے متمیز کرتی ہے۔ اور وہ ہے انسانی ذات۔ اُسے نفس بھی کہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اسے خودی سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کریم ذاتِ انسانی کی نشوونما زندگی کا مقصد قرار دیتا ہے اور اس کیلئے مستقل اقدار و قوانین دیئے ہیں جن پر مسلسل عمل کرتے رہنے سے ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ طبیعی زندگی کے حوالہ سے جسم کی حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ جسم ذات کی نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے لیکن خود مقصود بالذات نہیں۔ اس بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ "وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷/۱۲)" اور جو لوگ اس (بنیادی) حقیقت سے انکار کرتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے) تو ان کی زندگی اور حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ انہی کی طرح کھاتے پیتے، سامانِ زیست سے

فائدہ اٹھاتے (اور مرجاتے ہیں) اس تصورِ زندگی کا نتیجہ (شرفِ انسانیت کی) تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔" حیوانوں کی طرح جئے اور حیوانوں کی طرح مر گئے۔ انسانی سطح زندگی سے ہی محروم رہے مقصدِ زندگی کیا پاتے۔ قرآن کہتا ہے اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (۱۷/۷) "اگر تم حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرو گے تو اس کا فائدہ تمہاری اپنی ذات کو ہوگا اور اگر ناہمواریاں پیدا کرو گے تو اس کا نقصان بھی تمہاری ذات کو ہوگا۔" اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما حسن و توازن کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے۔ حسن و توازن کی صفات مستقل اقدار کی پابندی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں احترامِ آدمیت وہ بنیادی قدر ہے جس کو اختیار کئے بغیر ذاتِ انسانی پنپ سکتی ہے نہ زندگی کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱۷/۷۰) "ہم نے اولادِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔" یوں ہر انسان پر دوسرے انسان کی عزت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی سے انسانیت کی بھلائی کا راستہ کھلتا ہے اور ذاتِ انسانی نشوونما پاتی ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) یعنی جو چیز تمام نوعِ انسانی کے لئے نفع رساں ہوگی وہی دنیا میں باقی رہے گی۔ باقی رہنا چاہتے ہو تو وہ کچھ کرو جو انسانیت کے لئے منفعت بخش ہو۔ جس سے نوعِ انسان کا بھلا ہو جو ربوبیت عامہ کا باعث بنے۔ یہاں یہ مرکزی نقطہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ انسانی جسم کی پرورش اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ شخص خود کھائے یا استعمال کرے۔ اس کے برعکس انسانی ذات کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ شخص دوسروں کی نشوونما کے لئے دیدے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ جسم کی پرورش لینے سے ہوتی ہے۔ ذات کی دینے سے۔ اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی (۹۲/۱۸)۔

قرآن کریم نے سچے مومنین کا شعار یہ بتایا ہے کہ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹/۹)۔ "وہ دوسروں (کی ضروریات) کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں تنگی ترشی میں ہی گزارہ کیوں نہ کرنا پڑے۔" غرضیکہ دوسروں کے ساتھ بھلا کرنا اپنی ذات سے بھلا کرنا ہے اور دوسروں کے کام آنے سے ہی اپنی ذات کی نشوونما ہو سکتی ہے اور جس کی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے وہی مقصدِ حیات میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (۸۷/۱۴)۔

قائدِ اعظم ___ محمد علی جناحؒ

زباں پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا

سر سیدؒ و اقبالؒ کی مساعیٔ جمیلہ کے بعد جو عظمت آفریں شخصیت ہمارے سفینۂ حیات کی ناخدائی کے لئے آگے بڑھی اور اسے ساحلِ مراد سے ہمکنار کر کے دم لیا۔ وہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ تھے. تاریخ شہادت دے گی کہ اس قائدِ جلیل کی شانِ قیادت نے اپنے تگ و تاز کے پورے دَور میں ایک لمحہ کے لئے بھی جذباتی رجحان کی دل فریبیوں کا سہارا نہیں لیا. ہندو قوم تعلیم و ترقی اور فکر و شعور کی سنجیدگی مسلمانوں سے کسقدر آگے تھی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی گاندھی جیسی شہرۂ آفاق شخصیت کو اپنی لیڈرشپ کا سکہ جمانے کے لئے مہاتمائی روپ دھارنا پڑا، اور وہی انداز اختیار کرنے پڑے جو ہندو کے جذبات کو اپیل کر سکیں. لیکن کیسا حیرت انگیز ہے سیاسیاتِ ہند کی تصویر کا یہ دوسرا رُخ کہ جناحؒ مسلمانوں جیسی جذباتی قوم کی قیادت کے لئے میدان میں آئے اور انہوں نے قومی جذبات پر اثر انداز ہونے کے لئے اس قسم کا کوئی ادنیٰ کھیل کھیلنے کی ضرورت محسوس نہ کی. زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اس قسم کی دلفریب نمائشوں سے کلیتہً اجتناب کیا. یہی ہے جناحؒ کی عظمت کا وہ امتیازی نشان جسے ہم ان کے کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہی تھا ہماری فتحِ عظیم کا وہ حقیقی راز جو حصولِ پاکستان کا حقیقی امین قرار پائے گا۔

اقبالؒ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ایک مفکر کے مقام سے تجاوز کر کے اسلامیانِ ہند کے منصب قیادت کو اپنائیں ___ ان کے خلوص کا تقاضا یہی ہو سکتا تھا ___ ان کی نگاہیں اس قائد کی تلاش میں تھیں جو قومی زندگی کے لئے اور نازک ترین مرحلوں میں قیادت کی پُرپیچ ذمہ داریوں سے دو ٹوک انداز سے عہدہ برآ ہو سکے کوئی اس کے حسنِ سلوک پر حرف گیری کی جرأت نہ کر سکے. یہ صرف جناحؒ تھے جو ان کے حسنِ انتخاب کے شایانِ شان قرار پا سکے اور ان کی کوششوں سے قوم کو وہ قائد مل گیا جس کے حسنِ تدبر کے صدقے میں

پاکستان جیسی عظیم مملکت کا وجود نقشۂ عالم پر مرتسم ہوا۔ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو مسٹر جناحؒ کے نام ایک مکتوب میں اقبالؒ نے یہ لکھا تھا کہ

> ہندوستان میں آپ ہی کی ذات ایسی ہے جس سے قوم کو یہ امیدیں وابستہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ مستقبل میں جو سیلاب آنے کا خدشہ ہے اس میں صرف آپ ہی مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکیں گے۔

یہ تھیں وہ امیدیں جو اقبالؒ نے قوم کی طرف سے جناحؒ سے وابستہ کیں اور تاریخ نے شہادت دی کہ جناحؒ نے انہیں بہ حسنِ کمال پورا کر کے دکھایا۔ اقبالؒ کے خطاب الٰہ آباد کے ٹھیک دس سال بعد جناحؒ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کو لے کر میدان میں آ چکے تھے اور اس کے بعد اس قرارداد کو حاصلِ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دس کروڑ مسلمانوں کی وہ تگ و تاز شروع ہو گئی تھی جو ۱۹۴۷ء میں حصولِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ اس مدت میں قائداعظمؒ کی معرکہ آرائیوں کی تفصیل تاریخ کا ایک مستقل باب ہے اور ایک الگ داستان۔ یہاں ہم قائداعظمؒ کے بعض اہم خطابات سے ان مقاصد کو روشنی میں لائیں گے جو تحریک پاکستان کے لئے اساسی درجہ رکھتے ہیں۔

انہوں نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تقریب پر حاضرین سے پہلے یہ سوال کیا کہ

> وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ اور وہ کون سا لنگر ہے جس کی بدولت اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟

اور پھر خود ہی ان اہم سوالات کے جواب میں فرمایا۔

> وہ بندھن اور وہ رشتہ، وہ چٹان اور وہ لنگر، خدا کی کتاب عظیم، قرآن کریم ہے۔ مجھے یقینِ محکم ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ـــــ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول اور ایک اُمت۔

۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ

> ہندو اور مسلمان، خواہ ایک ہی قصبہ، یا گاں میں کیوں نہ رہتے ہوں، کبھی ایک قوم کے افراد نہیں بن سکتے۔ وہ ہمیشہ دو الگ الگ عناصر کی حیثیت سے رہے ہیں۔
> ...... پاکستان تو اسی دن وجود میں آگیا تھا جب (ہندوستان میں) پہلا غیر مسلم

مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ ابھی یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم
نہیں ہوئی تھی۔　　(تقاریر جناحؒ ۔ حصہ دوم)

اور پھر اس کے بعد (۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو) ایڈورڈز کالج پشاور کے طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

> ہم دو قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، ہمارا دین ہمیں ایک ایسا ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہ نمائی کرتا ہے۔ ہم اسی ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔
> (ایضاً ۔ ص ۴۵۰)

۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس (منعقدہ لاہور) میں تحریک پاکستان کی اہمیت واضح کرتے ہوئے انہوں نے پنجاب کے مسلم طلباء کو ایک نئے عزم اور تازہ ولولوں سے سرشار کر دیا۔ اس تقریر میں انہوں نے فرمایا۔

> پاکستان کے تصور کو، جو اب مسلمانوں کے لئے ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ان کی حفاظت نجات اور تقدیر کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اسی سے یہ آواز فضائے عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مملکت وجود میں آگئی ہے جو اسلام کی عظمت رفتہ کو از سر نو پھر زندہ کرے گی۔　　(ایضاً ۔ ص ۵۸)

۱۸ جون ۱۹۴۵ء کو قائداعظمؒ ایک بار پھر صوبہ سرحد کے شاہین بچوں کو ایک اہم پیام انقلاب دے رہے تھے۔ اس پیغام میں انہوں نے فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی وساطت سے اسلام کے نونہالوں پر واضح کیا تھا کہ

> پاکستان سے مطلب یہی نہیں کہ ہم (غیر ملکی حکومت سے) آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے (درحقیقت) مراد وہ مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ یہ بیش بہا تحفہ اور خزانہ ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس سے ہم خود ہی متمتع نہیں ہوں گے بلکہ ہمارے ساتھ اور بھی فیضیاب ہوں گے۔ ...... ہم نے صرف اپنی آزادی حاصل نہیں کرنی بلکہ اس قابل بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔　　(ایضاً ۔ ص ۳۶۷)

قائداعظمؒ کے خلاف مفاد پرست گروہ کی طرف سے ہمیشہ یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ وہ اسلام کے معاملہ میں نابلد سے تھے۔ قائداعظمؒ نے مخالفت کے اس گھناؤنے انداز کا جواب ہمیشہ خود اعتمادی کی مسکراہٹ سے دیا۔ کیونکہ ملت کے عظیم ترین قائد کی حیثیت سے انہوں نے اپنے قافلے کو جس اسلامی منزل کی طرف آگے بڑھایا تھا اس کی موجودگی میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اسلام کے زندہ پائندہ حقائق سے بے خبر رہتے۔ یہ درست ہے کہ قائداعظمؒ کو فقہی موشگافیوں کا درک حاصل نہ تھا لیکن جہاں تک اسلام کی دینی عظمت و برتری کا تعلق ہے انہوں نے اس کی روح تک کو سمجھنے میں پوری عرق ریزی سے کام لیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے گہرے اسلامی مطالعہ کا اندازہ اس انٹرویو سے بخوبی ہو سکے گا جو انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے طلباء کو دیا تھا: بڑے اہم سوالات کئے تھے ان طلباء نے اور ہم سطور ذیل میں اس سلسلۂ سوال و جواب کو بعینہٖ پیش کرتے ہیں جو اورینٹ پریس کی رپورٹ کے حوالے سے اپریل ۱۹۴۲ء کے طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔

سوال:۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب:۔ اشتراکیت، بالشویت یا اس قسم کے دیگر سیاسی اور معاشی مسالک دراصل اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلام کے اجزا کا سارا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال:۔ ترکی حکومت تو سیکولر اسٹیٹ ہے کیا اسلامی حکومت اس سے مختلف ہے؟

اس سوال کا پہلا حصہ ایک جداگانہ عنوان سے متعلق ہے لیکن دوسرے حصے میں قائداعظمؒ نے جو کچھ کہا ہے اس کے ایک ایک لفظ میں ہماری زندگی میں پیدا شدہ تمام مشکلات و موانعات کا نکھرا ہوا حل موجود ہے اور اس سے وہ تمام الجھنیں اور پیچیدگیاں ختم ہو جاتی ہیں جو اسلامی دستور اور اسلامی مملکت کے سلسلے میں ہمارے ذہنوں میں پائی جاتی ہیں۔ قائداعظمؒ نے جواباً فرمایا تھا۔

جواب:۔ ترکی حکومت پر میرے خیال میں سیکولر اسٹیٹ کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز، تو یہ بالکل واضح ہے اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن

کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے

ان الفاظ پر ایک بار پھر غور کیجئے کہ

اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔

کیا صدیوں کی ملوکیت کے بعد ایک مملکت کو اسلامی بنانے میں جو الجھنیں حائل رہیں، انہیں ختم کرنے کے لئے یہ الفاظ قندیلِ راہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے؟ اگر ملّت جذبات پرستی سے بالاتر ہو کر حسنِ نیت اور خلوصِ فکر کی روشنی میں اپنا مستقبل متعین کرنا چاہے تو اسے لامحالہ ان الفاظ کو مشعلِ راہ بنانا پڑے گا اور اس کے بغیر کوئی اور چارۂ کار نہ ہو سکے گا۔ سرسیدؒ، اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اس بدنصیب قوم کو جذبات پرستی کی تند آندھیوں اور مسلکِ تقلید کی گہری تاریکیوں سے نکال کر فکر و بصیرت کی روشنی میں سفرِ زندگی طے کرنے کے قابل بنایا تھا لیکن قوم کی بدنصیبی کی انتہا یہ تھی کہ حصولِ پاکستان کی فاتحانہ معرکہ آرائی کے بعد جب قیادت کا میدان خالی ہو گیا تو قوم کے جذبات سے کھیلنے والے مفاد پرست عناصر پھر آگے بڑھ آئے اور ہمارے سب سے بنیادی مسائل کو بھی جو انتہائی سنجیدہ فکر کے محتاج تھے۔ جذباتی رجحانات کے سپرد کر دیا اور اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

سرسیدؒ کی کامیاب قیادت سے قبل بھی ہمارے عوام مدتوں جذباتی شورشوں میں مگن چلے آئے اور ان شورش پسندیوں نے ان کی اجتماعی قوت کو مضمحل بنا کر رکھ دیا۔ سرسیدؒ کی صحت مند اور مضبوط قیادت نے بے نتیجہ شورشوں اور ہنگاموں کی اس نمائش کو ختم کیا اور افرادِ ملت میں یہ صلاحیت بحال کی کہ وہ مسائلِ زندگی سے خالص عقل و فکر کی سنجیدگی کے ذریعے عہدہ برآ ہوں۔ ہنگامہ خیزیوں اور زوال پذیریوں کے اس ماحول میں یہ کارنامہ بہت بڑا معجزہ تھا۔ سرسیدؒ کے بعد اقبالؒ آئے اور اپنی بصیرتِ قرآنی کی جلوہ بازیوں سے ہر نشیب و فراز میں افکارِ تازہ کی روشنی پھیلا دی اور سب کا رُخ نشانِ منزل کی طرف پھیر دیا۔

قومی زندگی کی یہ منزل بڑا ہی کٹھن مرحلہ ثابت ہوئی۔ یہاں سیاست کے مغربی تصورات نے ذہنوں پر پورا تسلط جما رکھا تھا۔ اگرچہ اقبالؒ کے انقلاب آفریں نغمے ان تصورات کا جادو توڑ چکے تھے لیکن ایوانِ حکومت کا ہر فیصلہ انہی کی رُو سے طے پاتا تھا اور بین الاقوامی دائروں میں بھی انہی تصورات کی کارفرمائی قائم تھی۔ یہ شرفِ عظیم صرف قائداعظمؒ کی قسمت میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا دعویٰ لے کر ان بارگاہوں میں داخل ہوں اور دلائل و براہین کی بے پناہ اور بے مثال قوت سے نہ صرف مروجہ سیاسیات کے مسلّمہ ضابطوں کو غلط ثابت کر دیں بلکہ انگریز اور کانگریس جیسی عظیم الشان قوتوں کو اپنے دعوے کی عظمت و صداقت قبول کرنے پر مجبور کر دیں

ــــ آسمان کی نگاہوں نے اس صدی میں فراست اور تدبّر کا اس سے عظیم تر شاہکار نہیں دیکھا اور مملکتِ پاکستان کا وجود اس فتح مبین کی زندہ جاوید شہادت ہے۔

قائداعظمؒ کے اس شاہکار کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے قومی فکر و شعور کی سنجیدگی کو، جو سرسیّدؒ و اقبالؒ کی کاوشوں کا نتیجہ تھی بدستور قائم رکھا۔ ان کے مخالفین نے قدم قدم پر عوامی جذبات کو ابھارا۔ لیکن قائداعظمؒ کا ہر پیغام اور ہر خطاب فکر و بصیرت کی اسی سنجیدگی کا آئینہ دار تھا۔

> اگر اقوامِ عالم میں حقیقی عظمت حاصل کرنا چاہتے ہو تو جذبات سے کھیلنے کی بجائے حقائق سے عہدہ برآ ہونا سیکھو۔

یہ تھا اس شریفانہ جنگ کا نعرہ جس کا آغاز سرسیّدؒ سے ہوا۔ جسے فکرِ اقبالؒ نے توانائیاں بخشیں اور جسے قائداعظمؒ کے حُسنِ تدبّر نے فاتحانہ انجام سے ہمکنار کیا۔ کیا آج پھر وقت نہیں آگیا کہ ہم اس فراموش کردہ سبق کو ازسرِ نو یاد کریں؟

تعزیّت

ادارہ میں موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق مندرجہ ذیل احباب وفات پا گئے ہیں:۔

(۱) حکیم حسن محمد نظامی صاحب رکن بزم سرگودھا

(۲) جناب منظور احمد صاحب رکن بزم کویت

قرآنی فکر کو ظاہر کرنے میں ان دو حضرات کی خدمات مدّتوں یاد رہیں گی۔

• ــــ ادارہ مرحومین کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحومین کے لئے دعاگو ہے کہ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے!!

ناظم ادارہ

باسمہ تعالیٰ

بشیر احمد عباسی۔ کراچی

نہ ملتا گریۂ توبہ کا سہارا

نہ ملتا گریہ توبہ کا سہارا، ہم کہاں جاتے! میرے منہ سے بیساختہ نکلا۔ "جناب آپ سیدھے جنت میں جاتے!" یہ ٹکا سا جواب سُن کر میرا ہمزاد یک لخت چونکا! "آپ تو ہمیشہ اُلٹ مفہوم لیتے ہیں!" آپ" سے اس کی مراد محترم پرویز صاحبؒ اور آپ کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد شروع ہو گیا اپنے روایتی انداز میں طعن و ملامت کرنے۔ "عجیب اُلٹے دماغ کے لوگ ہیں آپ! ہر بات کا، ہر لفظ کا، ہر تصور کا مفہوم یکسر مختلف! حالانکہ یہ سب تصورات اسلاف سے تواتر کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ اور جمہور علماء کی غالب اکثریت ان پر متفق ہے۔" میں چونکہ اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں اس لئے حسبِ معمول اس کی باتوں کو سنی ان سنی کرتے ہوئے، خاموشی سے ڈرائیو کرتا چلا گیا۔ میرا ہمزاد کٹر قسم کا قدامت پرست ہے۔ مذہب کے معاملے میں میرے جوابات اس پر اکثر ناگوار گزرتے ہیں اس لئے بھی کہ اس بیچارے کی پرورش ۴۰ سال سے انتہائی متشدد مذہبی ماحول میں ہوئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ باوجود جدید ترین ماحول میں زندگی بسر کرنے کے، اس میں قدامت پرستی ابھی باقی ہے۔ اس سے پہلے ہم دونوں میں گہری دوستی اور نظریاتی ہم آہنگی تھی۔ مذہب کے معاملے ایک دوسرے کے زبردست حمایتی تھے۔ ہمزاد میرے جدید خیالات کی تصدیق قرآن و سنت سے دیتا اور میں اس کی قدامت پرستانہ حرکات کی تائید سائنسی دلائل سے فراہم کر دیتا۔ یہ سلسلہ ... میں محترم پرویز صاحب کی پیش کردہ فکرِ قرآنی سے متعارف ہوا۔ میرے ہمزاد پر تو جیسے ... پڑی۔ ان حالات میں خیال تھا کہ مجھے اس سے نجات مل جائے گی لیکن یہ سخت جان ہے کہ

ابھی تک چمٹا ہوا ہے۔ کل ہی کا واقعہ ہے کہ ہم ایک محفلِ سماع سے واپس آ رہے تھے جس میں توبہ کا فلسفہ انتہائی وجد آفریں انداز میں گایا گیا تھا۔ میرے لئے تو اس میں دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن میرا ہمزاد کیف و مستی کے عالم میں مسلسل دہرائے جا رہا تھا۔ "نہ ملتا اگر یہ توبہ کا سہارا ہم کہاں جاتے!

"سیدھے جنت میں!" میرے اس جواب کی تلخی ذرا کم ہوئی تو کہنے لگا۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ دین کے نام پر دین میں تحریف آپ لوگوں کا مشغلہ ہے۔

میں نے کہا۔ میرے عزیز ہمزاد! ہم، ۴۰ سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ پرویز صاحبؒ کی مقدور بھر مخالفت کی۔ حالانکہ نہ تم نے ان کی کوئی کتاب پڑھی تھی نہ انہیں سُنا تھا نہ دیکھا۔ آج جب میں نے انہیں پڑھا تو معلوم ہوا کہ ہماری مخالفت حق پر مبنی نہ تھی۔ یہ محض ہمارا "ظن" تھا۔ "یہ ظن کیا ہوتا ہے؟" ہمزاد بیساختہ بول اُٹھا۔ میں نے کہا۔ "ظن وہ مرض ہے جس میں کوئی نظریہ، کوئی تصور، بلا سوچے سمجھے اور بلا دلیل قائم کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرمؐ کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں طرح طرح کے افسانے گھڑ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک آپ کی وفات سے متعلق تھا۔ یہودی علماء کا کہنا تھا کہ انہوں نے عیسیٰؑ کو صلیب چڑھا کر ذلت کی موت مارا۔ جبکہ عیسائی علماء اس کی نفی کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو باعزت طور پر اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ قرآن کریم ان دونوں کے عقائد کو ظن کا اتباع کہتا ہے...... مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج (۶/۱۵۷)۔

ہمزاد، ظن کی تعریف سُنکر مسکرایا! کہنے لگا۔ خوب ہے! اب ذرا توبہ کے تصور پر بھی روشنی ڈال لیے۔ مجھے تو اس میں بھی "ظن" نظر آنے لگا ہے۔

میں نے کہا۔ توبہ کا مروجہ تصور مذہب کا تراشیدہ ہے۔ قرآن کا تصور اس سے مختلف ہے۔ قرآن کریم کے اصول و قوانین کا محور انسانی فلاح و بہبود ہے جبکہ مذہب کا تعلق خدا اور اس کی پوجا سے ہے۔ مذہب کی رُو سے، توبہ، گناہوں سے معافی مانگنے کو کہتے ہیں۔ اس تصور کے مطابق جب کوئی فرد گناہ کرتا ہے تو خدا اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ توبہ کرنے سے خدا خوش ہو جاتا ہے اور یوں اسے گناہوں سے معافی مل جاتی ہے۔ توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کان پکڑیں، یا ناک رگڑیں، یا، یا اللہ میری توبہ! کے الفاظ بار بار دہرائیں۔ حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ عملی زندگی میں جب کسی انسان سے غلطی سرزد ہو جائے تو اس کا ازالہ کرنا ہوتا ہے یا سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ مثلاً آپ ایک دیوار تعمیر کر رہے

ہیں۔ اس میں کوئی اینٹ غلط لگ گئی ہے جس سے دیوار میں کجی آ گئی ہے۔ معمار کو یوں ہی اس غلطی کا احساس ہوگا، وہ اللہ میری توبہ، مجھے معاف کردے، کہہ کر مطمئن نہیں ہوجائے گا۔ وہ پہلے اپنی غلطی کا ازالہ کرے گا اور آئندہ احتیاط برتنے کا عزم کرے گا۔ یہ مثال ایک معمار تک ہی محدود نہیں، انسان سے جو غلطیاں، کوتاہیاں اور خامیاں سرزد ہوتی ہیں، ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو، نتائج کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہیں۔ غلطی کو گناہ کہہ دینے سے نہ اس کی نوعیت بدل جاتی، نہ نتائج میں فرق آتا ہے۔ جس طرح دنیوی امور میں غلطی کی اصلاح کے لئے عملی طور پر کچھ کرنا پڑتا۔ اسی طرح اخلاقی برائی کے ازالے کے لئے بھی محض الفاظ کا ورد کافی نہیں ہوگا۔ قرآن کریم توبہ کا غیر مبہم اور واضح تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک، تصورات قوموں کی تقدیر بدلنے میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ... (۱۳/۱۱)

قوم کی حالت بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نفس میں تبدیلی پیدا کی جائے۔

یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔

نفس میں قابلِ تبدیلی شے تصورات ہوتے ہیں۔ مثلاً خدا کا تصور، موت و حیات کا تصور، حق و باطل کا تصور، آخرت کا تصور۔ و قس علیٰ ذالک۔ ان تصورات کو بدل دیجئے۔ قوم از خود بدل جائے گی۔ قرآن کریم میں ان تصورات کو جن کا کہ قوموں کے عروج و زوال پر گہرا اثر ہوتا ہے، نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ جو قوم بھی تقدیر بدلنا چاہے، ان تصورات سے براہِ راست راہنمائی حاصل کرے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

یہ ہیں قوموں کی موت و حیات کے متعلق وہ قوانین و ضوابط جنہیں خدا ایک حقیقتِ ثابتہ کے طور پر بیان کرتا ہے۔

وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (۳/۱۰۷)۔ "اس لئے کہ یہ تو بڑا ظلم ہوتا کہ جن اصولوں کے تابع چلنے سے انسانی زندگی نے کامیاب ہونا تھا، وہ اصول انسان کو نہ بتائے جاتے۔" توبہ کا تعلق بھی انہی اہم اصولوں سے ہے اور اس کا صحیح تصور بھی قوموں کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ جب کوئی قوم اپنے بلند مقصد کو کھو بیٹھتی ہے تو اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے پہلے توبہ کرنی پڑتی ہے۔ اگر اس کے سامنے توبہ کا صحیح تصور موجود ہے، تو پھر اسے عظمت کی بلندیوں کو دوبارہ چھونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی اور اگر ایسا نہیں، تو پھر وہ بھی موجودہ مسلمانوں کی طرح، جو گذشتہ پندرہ سو سال سے مسلسل توبہ کا ورد

کر رہے ہیں، ہمیشہ ذلت و مسکنت کی دلدل میں غرق رہتی ہے۔ توبہ آدم کی غلطی کا پہلا علاج ہے قرآن کریم میں توبہ کے اس تصوّر کو نہایت دلنشین انداز میں ایک تمثیل کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کو نہایت بلند مقام عطا ہوا لیکن غلطی سرزد ہو گئی اور یہ مقام چھن گیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اسے دوبارہ کیسے حاصل کیا جائے؟ اس کے متعلق ارشاد ہے:

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ......

اللہ تعالیٰ نے آدم کو یہ مقام دوبارہ حاصل کرنے کا طریقہ کار بتا دیا.... (۲/۳۷)۔

اس طریقہ کار کو تو ہم تھوڑا آگے چل کر بیان کریں گے، سرِدست اہم نقطہ توبہ سے متعلق ہے۔ اس تمثیل میں مذکور ہے کہ آدم کو یہ رہنمائی اس لئے دی گئی کہ اس نے توبہ کی تھی۔ یعنی غلطی کے بعد اگر توبہ نہ کرتا تو رہنمائی نہ پاتا۔ انسان کو جب اپنی غلط روی کا احساس ہو جائے اور وہ وہیں سے پلٹ آئے تو عربی لغت میں اُسے "توبہ" کہتے ہیں۔ اس کے بعد صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب کوئی انسان غلط روش ترک کر کے صحیح راستہ اختیار کرتا ہے تو لغت میں اسے "اصلاح" کہتے ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق کسی بھی نوع کی غلطی کے ازالے کے لئے توبہ اور اصلاح کا عمل لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ (۵/۳۹)۔

اب جس قوم کے سامنے توبہ کا ایسا منزہ اور بلند تصوّر ہو۔ کیا اسے زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی غلط روش کو گناہ کا نام دے کر کانوں کو ہاتھ لگا لینا کافی سمجھ لے۔ یہی وجہ تھی کہ آدم کو اصلاح کا طریقہ بتانے کی ضرورت پیش آئی۔ طریقہ یہی تھا کہ پہلے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو اور پھر اصلاح کے لئے گامزن ہو جائے توبہ کے بعد اصلاح کا عزم مفقود ہو تو غلطی اور توبہ کا کبھی ختم نہ ہونے والا غیر منفعت بخش سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جسے آج ہم مقدس فریضہ سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہماری منزل کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے کہا تھا کہ اگر تم نے جنت دوبارہ حاصل کرنی ہے تو اس کے لئے تمہیں ہماری طرف سے راہ نمائی ملتی رہے گی۔ تمہارے معاشی مسائل ہوں یا دوسرے معاملاتِ زندگی ہم تمہیں جامع اور واضح الفاظ میں ان کا حل بتا دیں گے۔ تمہارا کام ان پر بلا چون و چرا عمل کرنا ہوگا اور اس کے بعد کہا۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸)

اگر تم نے ایسا ہی کیا تو پھر تمہیں خوف و حزن سے مامون زندگی نصیب ہو جائے گی۔ تمہارا معاشرہ امن و خوشحالی کا مظہر بن جائے گا۔ ویسا ہی جیسا کہ تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایات کی موجودگی میں جو قوم اس زعم میں مبتلا ہو اور اس کی غلطیوں کا ازالہ توبہ و استغفار کے الفاظ دہرا لینے سے ہو جائے گا، ایک ایسی خوش فہمی میں مبتلا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس قوم کے راہنماؤں، مفکروں اور دانشوروں کو قوم سے اگر ہمدردی ہے اور دل سے اس کی اصلاح چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ توبہ کا مروجہ تصور بدل کر قوم کو احتساب و اصلاح کی روش پر ڈالیں۔ توبہ کا غلط سہارا اگر قائم رہنے دیا گیا تو جابر، مستبد اور ظالم لوگ مخلوقِ خدا کے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔ چور، زانی اور شرابی یونہی دندناتے رہیں گے، آپ رشوت خوروں اور اقربا نوازوں کو ببانگِ دہل لوگوں کی حق تلفی کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ یہ سب ظلم و فساد اور غارت گری، توبہ ہی کے سہارے پر کی جاتی ہے! یہ سہارا بدقسمتی سے اس قدر محکم بنا دیا گیا ہے کہ آپ بستہ اسے، میں ہوں یا بستہ ب، میں، توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے، دو بول توبہ کے کہہ لیں، پل صراط سے گزرنا آسان ہو جائیگا توبہ کا دروازہ، کب بند ہوگا؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ آجتک کی تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ یہ دروازہ کبھی بھی بند ہونے کا نہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ مخلوقِ خدا بھی دھڑلے سے اپنا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ کسی کو آپ احساس دلانا چاہیں اور پوچھ بیٹھیں کہ برائی کرتے وقت آپ کا ضمیر ملامت نہیں کرتا؟ تو نہایت شریفانہ جواب ملے گا، کرتا ہے لیکن میں توبہ کر لیتا ہوں ؎

توبہ ہے میری جام شکن، جام ہے میرا توبہ شکن
سامنے مرے شیشوں کا ڈھیر لگا ہے

اللہ تعالےٰ کے متعلق قرآن کریم نے تصور دیا تھا کہ وہ احکم الحاکمین ہے اور شدید العقاب بھی! اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم دنیاوی حاکموں کی گرفت سے اگر بچ بھی نکلے تو اس کی عدالت میں دھر لئے جائینگے کیونکہ اللہ کے حضور بالآخر سب نے حاضر ہونا ہے۔ وَ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ قرآن کریم نے اس عدالت کا نہایت محکم تصور دیا تھا اور کہا تھا ــــ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ؕ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (۷ - 8 /۹۹)۔ "ہم کھرے اور کھوٹے کا ذرہ ذرہ الگ کر دیں گے"۔ ایک دوسرے مقام پر مزید سخت الفاظ میں کہا ــــ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْہَا عَدْلٌ وَّ لَا ھُمْ

یُنصَرُوْنَ (۲/۴۸)۔ وہ دن نتائج کے اعتبار سے بڑا ہی سخت ہوگا۔ لہٰذا ابھی سے اپنی حفاظت کا سامان کرلو۔ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ نہ شفاعت، نہ "مک مکا" اور نہ ہی دوستی! جب تک خدا کی گرفت کا یہ محکم تصور باقی رہا، اس کے احساس کی شدت سے خود رسولؐ بھی کانپ اٹھتے تھے۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ؁ (۶/۱۵)

اے فاطمہؓ، اے زینبؓ، اپنی نجات کا سامان ابھی سے کرلو، میری قرابت داری کچھ کام نہیں آسکیگی (حدیث)۔ حضرت عمرؓ جیسا متقی اور ذمہ دار حکمران شاید ہی چشمِ فلک نے دیکھا ہو۔ لیکن خدا کی گرفت کا احساس اس قدر شدید کہ جب موت سامنے آئی تو چیخ اٹھے۔ ایک کاش! عمرؓ ایک تنکا ہوتا۔ آج حساب تو نہ دینا پڑتا۔ ان سب میں سے ایک ایک نے بھی توبہ کا سہارا نہیں لیا لیکن افسوس کہ ان مبارک اور سعید روحوں کی وفات کے فوراً بعد اسلامی معاشرت میں نہ ذمہ داری کا احساس باقی رہا، نہ جوابدہی کا خوف۔ بدقماش لوگوں نے بدی کی راہ اپنالی اور مذہبی پیشوائیت نے ان کی بخشش کا سامان فراہم کر دیا۔ ان کا خوف دور ہوگیا اور انہیں روٹی کی ضمانت مل گئی۔ کہاں قرآن کا احتساب اور اللہ کی سخت گیری اور کہاں مذہبی پیشوائیت کا پیش کردہ ـــ اتنی آسان توبہ اور اس قدر نرم دل خدا۔ اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں، گناہ کرنے کی کھلی چھٹی بلکہ بعض حالتوں میں گناہ کرنا کارِ ثواب، مسجدوں میں مولوی صاحبان بخشش کا اسلامی نظریہ بیان کرتے ہیں تو بڑے بڑے پارساؤں کے ذہن میں بھی خیال اُبھرتا ہے کہ کاش ہم بھی گناہ کرکے اللہ کی بے پایاں بخشش سے فیض یاب ہوتے ـــ دنیا میں منہ کالا ہو بھی جاتا تو بھی ہمارا شمار ان گنہگاروں میں ہوتا جو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔ اپنے زورِ بیان سے مولوی صاحبان گنہگار کا درجہ سوسائٹی میں اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان بڑے ہی فخر سے اپنے نام سے پہلے گنہگار۔ عاصی اور عاصی المعاصی جیسے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ ان الفاظ کا آسان ترجمہ مجرم یا CRIMINAL ہی ہوسکتا ہے جس کا تحریری اعتراف غالباً قابلِ دست اندازیٔ پولیس ہے۔ تاہم مذہب کی زبان اس لحاظ سے بے ضرر ہے کہ اقبالِ جرم بھی کرلیا اور گرفت کا خوف بھی دامن گیر نہ ہوا۔ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی۔ ایسے ہی واعظین کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ؁ (۵/۶۳)۔

کس قدر گھناؤنا ہے ان کا یہ کاروبار! حقیقت یہ ہے کہ ہم جب کبھی بھی خدا کے کسی حکم (قرآنی اصول) کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس کا اثر ہماری ذات پر پڑتا ہے۔ ہماری صلاحیتیں یا تو دب جاتی ہیں، یا

مسخ ہوکر رہ جاتی ہیں. ہم حیوانیت کی سطح پر آجاتے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد بقول اکبرالٰہ آبادی.

بی اے کیا، نوکر ہوئے، اور مر گئے!

تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے. توبہ سے مقصود تھا کہ ہماری ذات کی نشوونما جاری رہے. اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ جس مقام پر ہمیں غلطی کا احساس ہوجائے اور ہم پلٹنا (توبہ کرنا) چاہیں تو ہمارے پاس نشوونما کے لئے اتنا وقت ضرور ہونا چاہیئے کہ ہماری ذات کے متاثرہ حصوں کی تصحیح ہوسکے. قرآن کریم نے اس حقیقت کو نہایت جامع اور خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے.

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى
اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

...... (۶/۱۸).

ایسے ہر شخص کے لئے توبہ کرنا بے سود ہے جو آخری دم تک گناہ کرتا رہے اور جب موت سامنے آئے تو پکار اٹھے. یااللہ میری توبہ! اس کے برعکس توبہ کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا.

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ..... (۴/۱۷).

"خدا کے قوانین کے مطابق توبہ ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہے جو سہواً ایسے کام کر بیٹھیں جن سے معاشرے میں یا ان کی اپنی ذات میں ناہمواریاں (سیّات) پیدا ہوجائیں. جس کا انہیں فوری احساس ہوجائے اور وہ خدا کے قوانین کی طرف پلٹ آئیں."

غلطی کرنا اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا کہ غلطی کا احساس نہ ہونا کیونکہ اس طرح اصلاح کی گنجائش ہی نہیں رہتی. توبہ کا مروّجہ تصوّر اس احساس کو کچل کر رکھ دیتا ہے. اس تصوّر کے تابع انسان گناہ کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، پھر گناہ کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے اور یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہتا ہے تاآنکہ توبہ خود ایک گناہ بن جاتی ہے. فرمانِ الٰہی تو یہ ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا
لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۔

"خدا کے حضور توبہ ایک آدھ مرتبہ ہی قبول ہوتی ہے، جو لوگ پے در پے توبہ

گناہ۔ توبہ۔ گناہ کے مرتکب ہوں ان کی توبہ قطعی قبول نہیں کی جاتی۔"

سورۂ فاتحہ میں مومنین کی دعا ہے کہ اے اللہ ہمیں ضالین سے بچانا۔ اس آیۂ کریمہ کے آخری الفاظ میں کہا کہ انہیں پہچان لو۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ (۳/۸۹)۔

ایسے لوگ روزِ قیامت نتائج سامنے آنے پر انتہائی غُل غپاڑہ مچائیں گے۔ ارے یہ کیا ہوا! ہم نے تو مولانا صاحب کے ارشاد کے عین مطابق استغفار پڑھی تھی! یہ کیوں رد کردی گئی؟ جواب ملیگا۔ خاموش۔ لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۔ آج کے دن عذر تراشیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۶/۷)۔ "تم نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس نے تمہیں منزل پر پہنچا دیا ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی جماعت مومنین کو مخاطب کیا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ اے زندگی کی اعلیٰ اقدار کے پاسبانو! کان کھول کر سن لو ۔۔۔ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۔۔۔ اگر سفرِ زندگی تمہارا کوئی قدم سہوًا غلط سمت کو اُٹھ جائے تو اس روش سے ہٹ کر فورًا صحیح راستے کی طرف آجاؤ۔ اور پھر اس راستے پر یوں گامزن ہوجاؤ کہ تمہارا قدم دوبارہ غلط سمت کی طرف نہ اُٹھے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ يُدْخِلَكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری غلط روی کے اثرات دُور ہو جائیں اور تمہیں سدا بہار خوشیوں کی زندگی نصیب ہو جائے تو خدا کے قوانین کے مطابق اسے حاصل کرنے کا صحیح طریقہ کار یہی ہے۔ یعنی غلطی سرزد ہو جانے کے بعد ۔۔۔ توبۃ النصوح!۔ (۶۶/۸)۔

قرآن

علم اور جسمانی توانائی دونوں ضروری ہیں

۲:۲۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصاصؔ اور دیتؔ

ایک خط بنام عزّت مآب چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت اور وزیرِ اعظم پاکستان

سلام و رحمت!

قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (۴۱/۵۳)

ہم ایسے حالات پیدا کرتے جائیں گے کہ ان لوگوں کو خود اپنی قوم میں اور اپنے اردگرد کی اقوام میں، اپنے نفس میں اور اپنے خارج میں، ایسی محسوس نشانیاں نظر آجائیں گی جن سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ صحیح بات وہی تھی جو قرآن نے بیان کردی۔ (الحق)

جناب عالی! قصاص اور دیت کے موجودہ شرعی آرڈیننس کے متعلق ٹرانسپورٹروں کی ملک گیر ہڑتال کے پیش نظر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اس ضمن میں قرآنی آرڈیننس کی بھی آپ کو یاد دہانی کرادوں تاکہ اس مسئلے کا حل ممکن ہو سکے۔ یہ اس لیے کہ قصاص اور دیت کا موجودہ آرڈیننس شرعی آرڈیننس ہے۔ اور شریعت ماخوذ ہے قرآن + سنّت + فقہ + مسلمانوں کے علاقائی رسم و رواج اور عادات و اطوار پر۔ جبکہ قرآن کریم اپنے قوانین کے ساتھ کسی آمیزش کو برداشت نہیں کرتا۔ اس کا تقاضا ہے کہ اللہ کے قوانین کو خالص رہنے دو (أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ......) اور اس امر کا عام اعلان کردو کہ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہونی چاہیئے ...... (۳۹/۳)۔ میں قرآن کریم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور اس اعلان کو آپ تک پہنچانا اپنی اوّلین ذمہ داری سمجھتا ہوں۔ زندگی کے ہر معاملے میں سند صرف خدا کے فیصلے کو ہونا چاہیئے۔

قصاص اور دیت جنہیں عموماً ہم معنی سمجھا جاتا ہے درحقیقت قرآن کریم کی دو جداگانہ اصطلاحیں ہیں۔ قصاص کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی ٹھیک ٹھیک سزا دینا۔ خواہ اسے تلاش کرنے میں کتنی ہی سعی و کاوش کیوں نہ کرنی پڑے۔ جب کہ دیت کے معنی قتل خطا کی صورت میں خون بہا ادا

کرنا ہوتا ہے۔ قتلِ عمد میں دیت نہیں ہوتی۔

(ا) قتلِ خطا کے ضمن میں حکم ہے:۔

I وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً .... کسی مومن کیلئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے الّا یہ کہ ایسا غلطی سے ہو جائے

II وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً .... اگر کسی مومن کے ہاتھوں کوئی مومن غلطی سے مارا جائے تو

۱ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖٓ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

وہ اس کے بدلے میں ایک مومن غلام آزاد کردے۔ نیز مقتول کے وارثوں کو، مطالبے پر اس کا خون بہا ادا کردے۔

۲ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی قوم تم سے برسرِ پیکار ہے اور ان میں کوئی مومن فرد ہے جو تمہارے ہاتھوں غلطی سے مارا جاتا ہے تو اس کے کفارہ کے طور پر صرف ایک مومن غلام کو آزاد کیا جائے۔

۳ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

لیکن اگر مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ صلح ہے تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہوگا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا بھی۔

۴ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ

لیکن اگر قاتل اس کی مقدرت نہیں رکھتا۔ یعنی نہ تو اس کے پاس دیت کے لئے پیسے ہیں اور نہ ہی کوئی غلام تو ایسی صورت میں اسے دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔ یہ چیز قانونِ خداوندی کی رُو سے عفوِ خطا کا موجب بن جائے گی۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ وہ قانون جو کہ سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔ (۴ : ۹۲)

(ب) قتلِ عمد کے ضمن میں حکم:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو بالارادہ قتل کر ڈالے تو:۔

فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا۔ آخرت میں اس کیلئے ابدی جہنم ہوگا لیکن اسے اس دنیا میں بھی سزا دی جائے گی۔ اور یہ سزا اس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے دی جائے گی۔ مثلاً کسی نے فوری جذبات سے مشتعل ہو کر، غیرت یا کسی بھی بنا پر کسی کو قتل کر دیا تو اسے موت کے علاوہ

دوسری سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ دنیاوی سزائیں یہ ہوسکتی ہیں :-

۲ وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ـــــ پھانسی کی سزا، عتابِ خداوندی۔

۳ وَلَعَنَہٗ ـــــ اسلامی نظام کے تحت جو سہولتیں حاصل ہوں ان سے محروم کردینا۔ جیسے حقوقِ شہریت سے محرومی۔

۴ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔ (۴ : ۹۳) ـــــ یا ان کے علاوہ، کوئی بھی سخت ترین سزا۔ جیسے عمر قید۔

محترم جناب جسٹس صاحب! قرآنِ کریم کے مندرجہ بالا احکام نہایت واضح ہیں۔ ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ اور یہ ایسے احکام ہیں کہ جن کا عملی اطلاق نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر کسی کے لئے باعثِ رحمت بھی ہے۔

بناء بریں آپ سے التماس ہے کہ قبل اس کے کہ عوامی احتجاج کا موجودہ ریلا دھکیلے دے کر لے ئے ہمیں از خود ہی قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرلینا چاہیئے۔ ہم سب کی فلاح رجعت الی اللہ میں ہے۔ اس میں نہ تو ترمیموں کی جھنجھٹ ہے اور نہ ہی شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ

وہ لوگ جو ہمارے احکام کی صداقتوں پر مر مٹتے ہیں۔ اے رسولؐ! جب وہ تمہاری طرف آئیں تو ان سے کہو کہ وہ بالکل نہ گھبرائیں ان کے لئے اس نظام میں ہر طرح کا امن اور سلامتی ہے

کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ

ـــــ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے کہ تمہاری پوری پوری نشوونما ہو جائے

اِنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۶/۵۴)

حتیٰ کہ اگر تم میں سے کسی سے کوئی بھول چوک بھی ہو جائے اور وہ اپنے کئے پر نادم ہو۔ اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلے، تو اسے بھی اس نظام کی حفاظت اور مرحمت سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ (۶/۵۵)

ہم یوں اپنے قوانین کو نکھار کر بیان کرتے ہیں تاکہ سہو و خطا سے لغزش کرنے والوں اور دیدہ دانستہ جرم کرنے والوں کی راہیں ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں ـــــ

وَاٰخِرُ الدَّعْوٰنَا یارب! ہمیں اپنے قوانین سے ہم آہنگ ہونے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

مخلص ـــــ بشیر احمد عابد

قانونِ وصیّت

قانونِ وصیت کے ضمن میں جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ پشاور کی درخواست وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد میں زیرِ سماعت ہے۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر علامہ غلام احمد پرویزؒ کا استدلال قارئین طلوع اسلام کے گوش گزار کر دیا جائے۔ قارئین اس موضوع پر مزید لکھنا چاہیں تو طلوع اسلام کے صفحات حاضر ہیں۔

(ایڈیٹر)

قرآنِ کریم نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بیشتر اصولی ہدایات دی ہیں لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں جن کے لئے اس نے خود ہی قوانین متعین کر دیئے ہیں۔ وصیت کا شمار انہی امور میں ہوتا ہے۔ دیکھئے کہ اس باب میں قرآن کریم کا قانون کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

تم پر یہ فرض قرار دیا جاتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ تمہاری موت قریب ہے اور تم اپنے پیچھے کچھ مال چھوڑ رہے ہو تو تم اپنے والدین اور دیگر اقربا کے لئے انصاف در قاعدے کے مطابق وصیت کر جاؤ۔ ایسا کرنا تمام متقین پر فریضۂ خداوندی ہے۔

آپ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے وصیت کرنے کی کس قدر سخت تاکید کی ہے۔ آیت کی ابتدا "کتب علیکم" سے

ہوتی ہے۔ یعنی تم پر فرض قرار دیا جاتا ہے اور آخر میں کہا جاتا ہے "حقًا علی المتقین" ایسا کرنا تمام متقین پر لازم ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ یہ وصیت والدین اور دیگر رشتہ داروں سب کے لئے ہوگی۔

وصیت کرنے کی تاکید

۲۔ سورۃ المائدہ میں وصیت کے سلسلے میں تفصیلی طور پر بتا دیا کہ اس کے لئے دو صاحبِ عدل گواہوں کی ضرورت ہوگی اور پھر اس کی بھی تاکید کر دی کہ گواہ سچی سچی شہادت دیں۔ (دیکھئے ۵/۱۰۶) اس سے بھی واضح ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے وصیت کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔

مزید وضاحت

۳۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے مختلف وارثوں کے حصے مقرر کئے ہیں۔ ان حصوں کا حکم اس طرح ہے کہ

> لڑکے کو اتنا ملے گا۔ لڑکی کو اتنا۔ باپ کو اتنا۔ ماں کو اتنا۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ۔ قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور اس وصیت کے بعد جو مرنے والے نے کی ہو۔

اس کے بعد پھر بعض وارثوں کے حصوں کا ذکر ہے یعنی

> بیوی کو اتنا ملے گا۔ خاوند کو اتنا۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ قرضہ کی ادائیگی یا اس وصیت کے بعد جو تم نے کی ہو۔

اس کے بعد مزید احکام ہیں کہ

> یہ شکل ہو تو اتنا اور یہ ہو تو اتنا۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ قرضہ کی ادائیگی یا اس وصیت کے بعد جو تم نے کی ہو۔

اس کے بعد پھر مزید احکام ہیں کہ

> اگر مرد یا عورت کلالہ ہو تو اس کی وراثت یوں تقسیم ہوگی۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ (۴/۱۲)۔ یا اس وصیت کے بعد جو کی گئی ہو یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے نہ لیا گیا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے۔

ان آیات میں مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ کے معنی بالکل واضح ہیں۔ یعنی اگر وصیت کل مال کو محیط نہ ہو (COVER نہ کرتی ہو) یا اگر کسی کو وصیت کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا ہو تو پھر اس کے ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی۔ اگر اس کی وصیت کل مال کو محیط ہوگی تو پھر ان حصوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

اس کی مصلحت

ظاہر ہے کہ ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ان کی روشنی میں وہی ٹھیک فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے مال میں سے کس کو کس قدر ملنا مناسب ہے۔ خدا نے انسانوں کا یہ اختیار سلب نہیں کیا بلکہ اسے فرض قرار دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے حالات کے مطابق حق و انصاف کے ساتھ وصیت کر کے مرے۔ ہاں البتہ اگر ایسا ہو کہ ایک شخص کی موت اچانک واقع ہو گئی ہے اور اسے وصیت کرنے کا وقت نہیں ملا یا اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد بھی کچھ بچ رہتا ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اسے وارثین کی مرضی پر نہیں چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح چاہیں ترکہ کی تقسیم کریں۔ اس طرح بے شمار جھگڑے پیدا ہو جاتے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیئے۔

آپ قرآن کریم کی ان آیات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ کیا ان میں کسی قسم کا کوئی اُلجھاؤ یا پیچیدگی ہے؟ (الجھاؤ یا پیچیدگی تو قرآن کریم کے کسی حکم میں بھی نہیں) نیز اس پر بھی غور کیجئے کہ اس باب میں قرآن نے کس قدر وضاحت سے کام لیا ہے اور وصیت کے متعلق کس قدر تاکیدی احکام دیئے ہیں۔ جہاں وصیت کا حکم دیا ہے وہاں ایک بار نہیں بلکہ دو بار کہا ہے کہ ایسا کرنا خدا کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے اور جہاں ترکہ کے حصوں کا ذکر ہے وہاں دو آیتوں میں چار مرتبہ اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے کہ وارثوں کے یہ حصے وصیت پوری ہونے کے بعد ہوں گے۔

ہمارا مروّجہ قانون

لیکن ہمارے اربابِ شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال کے ۱/۳ حصے سے زیادہ کے لئے وصیت نہیں کر سکتا اور یہ وصیت وارثوں کے لئے نہیں ہو سکتی۔ غور کیجئے۔ قرآن کریم نے بالفاظ صریح کہا ہے کہ وَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ (۲/۱۸۰) وصیت والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے کرنی ہوگی لیکن ان حضرات کا فیصلہ ہے کہ وصیت وارثوں (والدین یا دیگر رشتہ داروں) کے لئے نہیں ہو سکتی۔ پھر قرآن نے اس کل مال کے لئے وصیت کا حکم دیا ہے جسے کوئی شخص چھوڑ کر مرے (اِنْ تَرَکَ خَیْرًا ۲/۱۸۰) اس نے کہیں نہیں کہا کہ وصیت اتنے حصے تک ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کے لئے نہیں ہو سکتی لیکن ان حضرات کا ارشاد ہے کہ نہیں! یہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے۔ اس کے مطابق ہمارا موجودہ قانون ہے۔ اس قانون کی رُو سے جس قدر مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اس کی مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے دو بیٹے ہیں۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو پڑھایا لکھایا۔ بیرسٹر بنایا۔ وہ اب بڑا مرفہ الحال ہے۔ دوسرا بیٹا حال ہی میں پیدا ہوا ہے۔ اس کی پرورش، تعلیم و تربیت سب کچھ باقی ہے اس کے ان حالات اور انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ اس نومولود بیٹے

کے لئے ایسی وصیت کر جائے جس سے اس کی تعلیم و تربیت بھی ایسی ہو سکے جیسی اس نے اپنے بڑے بیٹے کی کی تھی لیکن مروّجہ قانون کی رُو سے یہ شخص اپنے اس بیٹے کے لئے کوئی وصیت نہیں کر سکتا۔ اس کے مرنے پر اس کی جائیداد دونوں بیٹوں میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ یہ تو ہم نے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ اس قسم کے مختلف واقعات ہر روز سامنے آتے رہتے ہیں جس میں اس قانون کی بدولت سینکڑوں مستحق محتاج رہ جاتے ہیں اور جائداد ان کے پاس چلی جاتی ہے جنہیں مرنے والا حق وانصاف کے مطابق ایک پائی بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ محتاج بیچارے واویلا مچاتے ہیں لیکن ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ قانون کے سامنے کسی کی کیا چل سکتی ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ قانون شریعت — کہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ کے متعلق نہیں کی جا سکتی اور رشتہ داروں کے متعلق نہیں کی جا سکتی — رسول اللہ کی ایک حدیث پر مبنی ہے۔ ہم اس حدیث کا تجزیہ نہیں کرنا چاہتے لیکن ایک اصولی سوال پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ایک ایسی روایت جو قرآن کریم کے ایک واضح قانون کے اس طرح خلاف جاتی ہو اس کے متعلق کبھی باور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ کا ارشاد ہوگا؟ ہماری تو اس تصور سے رُوح کانپتی ہے کہ کسی ایسی بات کے متعلق جو قرآن کے صریحاً خلاف ہو، یہ کہا جائے کہ ایسا رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا۔ اگر ہمارے مجموعۂ روایات میں کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے جو قرآن کے خلاف ہے تو ہمیں بلا تامل کہہ دینا چاہیئے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہو سکتا۔ وہ روایت وضعی ہے لیکن آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ہمارے ارباب شریعت کا فتویٰ ہے کہ ایسی صورت میں (جب کہ روایت قرآن کے کسی حکم کے خلاف جاتی ہو) روایت کو صحیح مانو اور قرآن کے حکم کو منسوخ سمجھو۔ چنانچہ "علامہ مولوی حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی" اپنے رسالہ "فتنۂ انکارِ حدیث" میں لکھتے ہیں:۔

حدیث قرآن کی ناسخ ہے

نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تو حجت رہے اور مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے۔ جس طرح کہ قرآن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہو تو حجت ہو اور ہماری عقل کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو تو — اسی طرح۔ نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تو حجت ہو اور قرآن کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔ (صہ ۴۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ قولِ رسولؐ قرآن کے خلاف ہو تو بھی وہ حجت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرًا ۨ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ (۲/۱۸۰)۔ تمہارے اوپر والدین کے لئے وصیت فرض ہے۔ اگر کسی نے مال چھوڑا ہے جب کہ اسے موت آجائے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا لَا وَصِیَّۃَ لِلْوَارِثِ۔ وارث کے لئے وصیت نہیں اور تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اسی حدیث پر رہا ہے۔ یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔ حدیث نے قرآن کو منسوخ کر دیا اور قولِ رسولؐ قرآن کی آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا۔ (ص۸۵)

یعنی یہ حدیث قرآن کے خلاف ضرور ہے لیکن عمل اسی کے مطابق ہوگا کیونکہ اس نے قرآن کی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ عقیدہ تنہا حافظ ایوب صاحب کا نہیں، ہمارے تمام علمائے کرام کا یہی فتویٰ ہے اور انہی کے فتوے کے مطابق اس قانون کو قانونِ شریعت کہا جاتا ہے جو قرآن کے حکم کے صریحاً خلاف جاتا ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ کسی ایسے فیصلے کو جو قرآن کریم کے اس طرح خلاف جاتا ہو، قانونِ شریعت کہنا کتنی بڑی جسارت ہے۔

اسی ضمن میں اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ:۔

۱۔ آیت ۲/۱۸۰ میں لکھا ہے کہ والدین اور اقربین کے لئے قاعدہ کے مطابق وصیت کر جاؤ۔ اس آیت میں قاعدہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے؟

۲۔ آیت ۲/۱۸۲ میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ وصیت کرنے والے نے انصاف سے کام نہیں لیا، بلکہ وہ کسی کی طرف بیجا طور پر جھک گیا ہے تو اسے چاہیئے کہ متعلقین میں مصالحت کی صورت پیدا کر دے۔ (موصی کی موت کے بعد یا پہلے) یہ وصیت بدلنے کے مرادف نہ ہوگا؟ یہاں یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ جب موصی کو اختیار ہے کہ وہ جس قدر جس کو چاہے وصیت کر دے تو پھر اس کی وصیت پر یہ پابندی کیسی کہ ہر وارث یہ کہے گا کہ موصی نے ناانصافی کی ہے اس کا فیصلہ کرایا جائے اور موصی کی موت کے بعد تو اس وصیت کو بدلنا ہی ہوگا۔

۳۔ آیت ۴/۱۱ میں آخری حصہ میں ہے کہ وصیت کے بعد جو کہ وصیت کی گئی ہو، اس جملہ کے بعد ہے کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے کونسا رشتہ دار نفع رسانی کے لحاظ سے تم سے قریب تر ہے اس لئے یہ حصے خدا نے خود مقرر کر دیئے ہیں۔ اس آیت کے مطابق یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم جب

...ت ہی نہیں سکتے کہ کون شخص ہم کو زیادہ نفع رسانی کے لحاظ سے قریب تر ہے تو پھر اگر ہم وصیت کل ... کر دیں تو ظاہر ہے کہ وہ ایسے شخص کے پاس پہنچ سکتی ہے جو ہم سے نفع رسانی میں دور تر ہو اور یہ ...یب تر والے کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

۴۔ ۴/۱۲ آیت میں وصیت اور اس کے بعد غیر مضر کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی وصیت ...ئے جو غیر مضر ہو۔ یعنی اگر کوئی شخص تمام مال کی وصیت ایک آدمی کے حق میں کر دے تو دوسرے تمام وارث ...س وصیت کی رُو سے مضر رساں ہوئے۔ یعنی ان کو ضرر پہنچا۔

ان چاروں مقامات سے اشکال ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں جو اللہ تعالےٰ نے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ ...ں قدر اور جس کو چاہے وصیت کرے۔ اس پر کچھ شرطیں لگا دی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو مال کسی شخص کی ملکیت میں ہو، اس میں سے کوئی شخص بطور حق کے کچھ مطالبہ نہیں کرسکتا۔[1] وہ اس مال کا مالک ہے اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق، جسے چاہے اور جتنا چاہے، دیدے۔ اپنی زندگی میں دیدے تو اُسے اس کا بھی اختیار ہے، اور اگر وہ اسے اپنی موت کے بعد دینا چاہے تو اس کے لئے وصیت کر دے۔ وصیت کرنا قرآن کی رُو سے فرض ہے لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص وصیت نہیں کر سکا۔ یا اس کی وصیت اس کے پورے ترکہ کو محیط نہیں (COVER نہیں کرتی) تو پھر اس کی تقسیم ان حصوں کے مطابق کی جائے گی جنہیں خدا نے خود مقرر کر دیا ہے۔ اس لئے اس نے ہر حصہ کے بعد کہا ہے کہ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ۔ (۴/۱۲)۔ یہ تقسیم، متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ اس تقسیم کے سلسلہ میں کہا کہ اس کا اختیار لوگوں کو اس لئے نہیں دیا گیا کہ متوفی تو جانتا تھا کہ کون کتنے کا مستحق تھا لیکن دوسرے لوگ نہیں جان سکتے۔ اس لئے اگر اس تقسیم کا اختیار انہیں دے دیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اس میں ناانصافی ہو جائے۔ لہٰذا اس کا اختیار خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗا۔ (۴/۱۲) کا یہی مطلب ہے۔ یہ بات متوفی سے نہیں کہی گئی ہے۔ اس کی وفات کے بعد دوسرے لوگوں سے کہی گئی ہے۔

اللہ تعالےٰ کے نزدیک، وصیت کی اہمیت کس قدر ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس نے صرف ایک اصولی حکم دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آیات (۵/۱۰۶-۱۰۸) میں پوری تفصیل سے بتا دیا کہ وصیت کس طرح کرنی اور لکھوانی چاہیئے۔ یہ ہے۔ وہ قاعدہ اور قانون جس کی طرف (۲/۱۸۰) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی بالمعروف کہہ کر۔

---

[1] سائل و محروم کے حق کی بات اور ہے۔

سورۂ بقرہ میں، وصیت کے متعلق حکم دینے کے بعد ہے، فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (۲/۱۸۲)۔ اگر کوئی شخص دیکھے کہ وصیت کرنے والے نے انصاف سے کام نہیں لیا بلکہ وہ کسی کی طرف بیجا طور پر جھک گیا ہے، تو اسے چاہیئے کہ متعلقین میں مصالحت کی صورت پیدا کر دے۔ اس میں وصیت کرنے والے کے اختیار پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ نہ ہی کسی کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس کی وصیت میں تبدیلی کر دے۔ کہا صرف یہ گیا ہے کہ اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ وصیت کرنے والے نے شدت جذبات یا عدم علم کی بنا پر کسی ایسے شخص کو محروم کر دیا ہے یا کم دیا ہے جو اس کی امداد کا زیادہ مستحق ہے — اور ایسا ہو سکتا ہے — تو وہ کوشش کرے کہ ان کے درمیان مصالحت ہو جائے۔ دیکھئے یہاں "مصالحت کرانا" کہا گیا ہے اور مصالحت تو محض مشورہ ہوتا ہے کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وصیت کرنے والا زندہ ہے تو اسے سمجھایا جائے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو جس کے حق وصیت کی گئی ہو اس سے کہا جائے کہ بھائی! حق تو اس پر تمہارا ہی ہے لیکن تمہارا فلاں رشتہ دار بڑا محتاج ہے، کچھ اُسے بھی دے دو۔ یہ وجہ ہے کہ اس آیت کے اخیر میں کہا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲/۱۸۲)۔ خدا چاہتا ہے کہ جو غیر محفوظ ہے اس کی حفاظت ہو جائے، اور جو محتاج پرورش ہے اسے پرورش کا سامان میسر آجائے۔ مصالحت کی کوشش سے یہی مقصود ہے۔ آیت (۴/۱۲) میں جو غَيْرَ مُضَارٍّ کہا گیا تو یا تو اس کا تعلق صرف دَيْنٌ سے ہے۔ اس صورت میں اس چیز کو صرف عدالت متعین کرے گی کہ متوفی نے جو قرض لیا تھا اس سے اس کا منشا کسی کو ضرر پہنچانا تو نہیں تھا۔ اور اگر اس کا تعلق وصیت سے بھی ہے تو اس کی وہی صورت ہوگی جسے ہم نے اوپر مصالحت کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اگر مصالحت کی کوشش ناکام رہے تو وصیت برقرار رہے گی۔ اس ضمن میں اس نکتہ کو پھر سے سامنے لے آنا چاہیے کہ کسی شخص کے مال میں سے دوسرا شخص اپنے حق کے طور پر کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے وصیت پر قانونی پابندی کوئی نہیں پابندی اخلاقی ہے اور اخلاقی پابندیاں تو قرآن، مومن کی زندگی کے ایک ایک سانس پر عاید کرتا ہے۔

واضح رہے کہ وصیت یا وراثت وغیرہ کے احکام، اس عبوری دور سے متعلق ہیں جب ہنوز اسلامی نظام اپنی آخری شکل میں قائم نہ ہوا ہو۔ اس وقت نہ کسی کے پاس زاید از ضرورت مال ہوگا نہ اس کی تقسیم کا سوال پیدا ہوگا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ قرآن نے خود وصیت کے حکم میں، اِنْ تَرَكَ خَيْرًا کی شرط لگا رکھی ہے۔ یعنی اگر وہ مال چھوڑے تو اسلامی نظام میں جب کسی کے پاس زاید از ضرورت مال رہے گا ہی نہیں تو یہ حکم خود بخود ساقط ہو جائیگا۔

اسلامی نظام کی مکمل صورت کا نقش حضور نبی اکرمؐ نے اپنی مثالی زندگی میں پیش فرما دیا تھا جب کہا تھا کہ ہمارا وارث کوئی نہیں — اور حضورؐ نے اپنے ترکہ میں کوئی مال چھوڑا ہی نہیں تھا۔

حقائق و عبر

اصح کتاب بعد کتاب اللہ (قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب)

ابھی کل تک فرقہ اہل حدیث کے نیم تعلیم یافتہ علماء، ان پڑھ عوام کو یہ یقین دلاتے رہے کہ بخاری شریف قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ (اصح کتاب بعد کتاب اللہ) لیکن عورت کی حکمرانی کے سلسلے میں جب ان کے سامنے بخاری شریف میں اس واقعہ کے راوی حضرت ابوبکرہ رضؓ کی روایت کردہ دوسری حدیث پیش کی گئی، جس میں اس نے حضرت علیؓ حضرت عائشہ رضؓ سمیت پچاس ہزار صحابہ کرام کو دوزخی قرار دے دیا تو ان حضرات کی آنکھیں کھلیں کہ جس کتاب میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد کو جہنمی قرار دے دیا گیا ہو وہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

(بخاری شریف کتاب الفتن جلد سوم صـ۱۲۱ حامد اینڈ کو ایڈیشن)

خیال رہے کہ حضرت ابوبکرہ رضؓ وہ صحابی ہیں جنہیں ایک سنگین جرم کی پاداش میں حضرت عمر رضؓ نے اسّی کوڑوں کی سزا دی تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد دہم صـ۴۵۹)

چنانچہ اب ان حضرات نے اپنے پہلے فیصلے کو تبدیل کر لیا ہے اور عوام کو باور کرانا شروع کر دیا ہے کہ مؤطا امام مالک قرآنِ مجید کے بعد صحیح کتاب ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ حضرات مؤطا، امام مالک کو صحاح ستہ میں بھی شمار نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں فرقہ اہل حدیث کا ایک ترجمان ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث یہ تحقیق ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

"محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلہ میں یہی ہے کہ مؤطا کی مرسل و منقطع روایات کی سند دوسرے طرق سے متصل ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں۔

مؤطا، امام مالکؒ کی صحت و مرتبہ کا اندازہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں۔

مَا عَلٰی ظَھرِ الاَرضِ کتابٌ بعد کتابِ اللّٰہ اصحّ من
کتاب مالک

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطاء امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔
(ہفتہ، روزہ تنظیم اہلحدیث بابت ۲ نومبر ؁۱۹۹۰ء صفحہ ۱۲، ۱۵)

سُودی معاملے کے بارے میں صحیح احادیث کا فرقہ اہلحدیث کی جانب سے انکار

فرقہ اہلِ حدیث کے سب سے زیادہ سنجیدہ اخبار ہفت روزہ الاعتصام میں غیرحاضر زمینداری کے جواز کے بارے میں چار قسطوں میں ایک مضمون شائع ہُوا ہے (بابت ۱۹ اکتوبر ؁۱۹۹۰ء)۔ رسول اللہ صلعم نے اس معاملے کو واضح الفاظ میں سود قرار دے کر حرام قرار دے دیا تھا۔ چنانچہ اس کی روشنی میں چاروں فقہی مذاہب کے بانیوں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس معاملے کو حرام قرار دے دیا تھا۔ خود زمانۂ جدید کی علمی تحقیق سے بھی ان احادیثِ نبوی کی سچائی ثابت ہوتی ہے موجودہ دَور کے سب سے بڑے ماہرِ معاشیات لارڈ کینز کی تحقیق یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں زمین کا کرایہ ہی سود کی سب سے بڑی شکل تھی۔ (جنرل بھٹوری صفحات ۲۴۲، ۲۴۳)

غیرحاضر زمینداری کو حرام قرار دینے والی یہ احادیث سنن ابوداؤد میں حضرت رافع بن خدیج اور حضرت جابر بن عبداللہ سے کتاب المزارعت میں مروی ہیں۔ لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ حدیث کے علمبرداروں نے رسول اللہ صلعم کے حرام کردہ ایک معاملے کو جائز قرار دینے کے لئے، ان صحیح احادیث کو جن کی موجودہ دَور کی علمی تحقیق سے بھی تائید ہوتی ہے کا پوری طرح بلیک آؤٹ کر کے کمزور دلائل سے اس حرام معاملے کو جائز قرار دینے کی مذموم کوشش کی ہے حضرت عمرؓ کا ارشاد تھا کہ جس معاملے میں سود کا معمولی سا شائبہ بھی نظر آئے، اسے بھی ترک کر دیا جائے اور یہاں جس معاملے کو رسول اللہ صلعم اور زمانۂ جدید کی علمی تحقیق سب سے زیادہ بڑا سود قرار دیتی ہے۔ فرقہ اہلِ حدیث کے نیم تعلیم یافتہ علماء اسے جائز ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔

جُوئے کے جواز کے بارے میں علماء کا فتویٰ!

سُود اور جُوا دو ایسے معاملات ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن مجید میں ان کے حرام ہونے کے واضح احکامات

موجود ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے علماء حضرات یہ احکامات بیان بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کے باوجود ان دونوں حرام معاملات کو جائز بھی قرار دینے میں باک محسوس نہیں کرتے۔ پچھلے عنوان کے تحت یہ تلخ حقیقت گذر چکی ہے کہ جس غیر حاضر زمینداری کے معاملے کو رسول اللہ صلعم نے سودی معاملہ قرار دیکر حرام قرار دے دیا تھا۔ ہمارے علماء خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے مصلحت کوش علماء اس کے جواز کے فتوے دے رہے ہیں۔

جوئے کے بارے میں بھی ان کے طرزِ عمل کی ایک جھلک ملاحظہ ہو وہ اس کی حرمت کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"شراب اور جوا دو قدیم بری عادات ہیں جو انسانی معاشرے میں ہزارہا سال سے پائی جاتی ہے۔ تمام آسمانی مذاہب نے انہیں گناہ اور ممنوع قرار دیا مگر وہ راہب خود تحریف کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ دین اسلام نے ان امور کو جن میں فرد اور معاشرے کی خوش بختی مضمر تھی بجالانے اور قائم رکھنے کا حکم دیا اور وہ امور جن میں افراد اور معاشرے کی بدبختی پنہاں تھی انہیں حرام قرار دیا چنانچہ اسلام نے شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کے استعمال اور قمار (جوا) کی نہ صرف شدید مذمت کی بلکہ انہیں حرام اور گناہِ کبیرہ قرار دیا"

(ماہنامہ مصباح القرآن لاہور۔ بابت اکتوبر ۱۹۹۰ء صفحہ ۳۳)

ہمارے ملک میں جوئے کا سب سے بڑا کاروبار گھوڑ دوڑ کے ذریعے ہوتا ہے۔ اخباری سروے کے مطابق صرف لاہور میں ہر ماہ گھوڑ دوڑ پر چالیس کروڑ روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے (روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ لاہور بابت ۲۰ اپریل ۱۹۹۰ء) علماء حضرات نے جوئے کے اس کاروبار کے خلاف کبھی اپنی زبان مبارک نہیں کھولی۔ اس کے برعکس گھوڑ دوڑ کلب کے سیکرٹری صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں ان علماء حضرات کا جاری کردہ فتویٰ صحافیوں کو دکھایا تھا جس میں انہوں نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کو جائز قرار دیا تھا اس فتوے پر ساٹھ سے زیادہ دستخط کرنے والے علماء میں شریعت بل پیش کرنے والے علماء حضرات کے اسمائے گرامی بھی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ گھوڑ دوڑ کے جوئے کی آمدنی کے ایک حصے سے ان علماء حضرات کی خدمت کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے منہ بند ہیں۔ اگر یہ الزام غلط ہے۔ تو علماء حضرات اس برائی کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس بارے میں جو انہونی باتیں کہی جا رہی ہیں وہ سب سچ ہیں۔

ملک حنیف وجدانی

سیاسی پارٹیاں

سیاسی پارٹیوں کے وجود کو خلافِ قرآن قرار دینے کے لئے راولپنڈی سے جناب عبدالرزاق صاحب کی درخواست وفاقی شرعی عدالت میں ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔ طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۹۰ء کی اشاعت میں جناب عادل صاحب کے ۲۱ سوالات جو انہوں نے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کئے تھے، شائع کرتے ہوئے قارئین طلوعِ اسلام کو دعوتِ فکر دی تھی جس کے جواب میں مری سے ملک حنیف وجدانی صاحب سے جوابات موصول ہوئے ہیں، جو دلچسپی رکھنے والے حضرات کے استفادہ کے لئے شاملِ اشاعت ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت میں زیرِ سماعت سوالات

سوال ۱: دین اور مذہب میں کیا فرق ہے اور یہ کہ اسلام کو مذہب کے نام سے موسوم کرنا صحیح ہے؟

جواب: قرآن کریم میں مذہب کا لفظ "الاسلام" کے ساتھ کہیں بھی نہیں آیا۔ جبکہ قرآن کریم میں

I. اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳/۱۹)۔

II. وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (۳/۸۵)۔

III. وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (۴/۱۲۵)۔

IV. اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ

رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵/۳)۔

۷۔ اب دینِ اسلام اِلَیْکَ الْکِتٰبَ۔ لِکَ سے متعلق فرما دیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (۳-۳۹/۲)۔

۷۱۔ دینِ اسلام کی مخالفت قرآن نہ سننے پر غایت پا گئی۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۱/۲۶)۔

آج "دینِ اسلام" عدلیہ کے ذریعہ قرآنِ کریم کے نفاذ سے ہی اجاگر ہو سکے گا

سوال:۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ کی موجودہ صورت نماز، کیا قیامِ صلوٰۃ کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور یہ کہ موجودہ صورتِ نماز کو تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (۲۹/۴۵)۔ میں کس قدر عمل دخل ہے؟

جواب:۔ ۱۔ موجودہ اجتماعاتِ صلوٰۃ (نماز) کو باقی ہی رکھا جائے۔ البتہ اجتماعاتِ صلوٰۃ کے ساتھ درسِ قرآن درسِ عربی زبان کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ مسلمان علمی طور پر قرآن کریم کی طرف آسکیں۔ جس ملک میں ۲۶ فیصد تعلیم ہو۔ وہاں کسی چیز کو غیر علمی انداز میں چھیڑنا تفرقہ اور خون خرابے کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

۲۔ موجودہ اجتماعاتِ صلوٰۃ (نماز) فحشا و منکر کا خاتمہ نہیں کر سکے کیونکہ یہ انتظام کرنے والے معاشرہ میں زبردست ہیں۔ دیہہ کا نمبردار اختیارات میں امام مسجد سے آگے ہے تو پھر وہاں امام مسجد کا کیا زور چلے گا۔ اس میں یوں تبدیلی کی جائے کہ ہائی سکولوں کے عربی معلّم اور کالجوں کے پروفیسر عربی کو مقامی مساجد میں درسِ قرآن دینے پر مقرر کیا جائے اور انہیں معاشرہ میں بالادست بنانے کی کوشش کی جائے۔ مقامی یونین کونسل یا میونسپل کمیٹی میں انہیں اعزازی نشست دی جائے جب تک اجتماعاتِ صلوٰۃ کے شرفاء معاشرے پر بالادست نہیں ہوں گے، فحشا و منکر کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

۳۔ قیامِ صلوٰۃ کا قرآنی منشاء اس وقت پورا ہوگا۔ جب یہ شرفاء اور اہلِ علم معاشرے پر بالادست ہو کر سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ کرا دیں گے۔ اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے وقف ہو جائے گی اور فالتو سرمایہ برائی والوں کے پاس نہ رہے گا۔

سوال:۔ زکوٰۃ اور صدقات میں کیا فرق ہے۔ اور یہ کہ زکوٰۃ کو صدقات سے متعلق مصارف تک محدود کرنے سے اسلام کے معاشی نظام کو جو حیاتِ کلیہ (۶۔۱۱) کو احاطہ کرتا ہے۔ اس عظیم مقام اور کردار سے محروم نہیں کر دیا گیا جو اسلامی نظامِ معیشت کی اصل و بنیاد ہے۔

جواب:۔ مُسلم، ادراسلامی نظام کی بحث سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود وہ انسان کیا ہے؛ جس کو مسلمان بنا کر اسلامی نظام قائم کرنا مقصود بن سکتا ہے۔ انسان نام ہے۔

(۱) تن، بدن، جسم، فزیکل باڈی، حیوانی لوازمات کی ترقی یافتہ متوازن و معتدل شکل اور
(۲) من، روح، انا، ! ، خودی، میں (PERSONALITY)، نفس، انسانی ذات کے یک جا ہونے کا۔

اسی سے انسان میں انسانیت، آدم (آدمی) میں آدمیت، شخص میں شخصیت، بدن میں روحانیت اور تن میں من کی دُنیا ہے۔ اس جوہر خودی کی وجہ سے انسان اَحسنِ تقویم قرار پایا اور اسی قوتِ اختیار و ارادہ سے وہ اکثر مخلوق سے اشرف و افضل ہے۔

اس اہم ترین اعزاز کا تذکرہ اللہ تعالیٰ یوں کرتا ہے۔

وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (۳۲/۹)۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (۳۸/۷۲)۔

انسانی جسم مٹی سے بنا۔ اس کا حسب و نسب اور رنگ، قد، کاٹھ ہے جبکہ انسانی ذات خودی انا، ! ، میں، روح ایک عطیہ خداوندی ہے۔ جس کا تعلق مادہ سے نہیں، اللہ سے ہے۔ انائے انسانی کا کوئی شجرۂ نسب نہیں۔ علامہ اقبالؒ اس کو ؎ "زادن بے آب و مام" سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسانی جسم ــــ انسانی جسم کی نشوونما خود کھانے سے ہوتی ہے۔ جسے لینا بھی کہہ سکتے ہیں۔
تمام حیوانات "دابۃ" کی طرح انسان بھی اس قانونِ عالمگیر میں اسیر ہے کہ وہ کھاتا ہے تب جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔

انسانی ذات ــــ انسانی ذات، روح، خودی، ! ، میں، انا کی نشوونما دوسروں کو کھلانے سے ہوتی ہے۔ جسے دینا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی سے جود و سخا نے جنم لیا اور غیر مُسلم معاشرے نے حاتم طائی پیدا کیا۔

تضاد کا حل ــــ جسم لینا چاہتا ہے۔ ذات، انا دینا چاہتی ہے۔ اس تضاد کا حل کیا ہوگا؟ اس

تضاد کے حل پر اسلامی معیشت کا سارا دارومدار ہے۔ اسی انفرادیت اور معجزنما ربوبیت سے اسلام جملہ ادیانِ عالم پر فوقیت حاصل کر گیا تھا۔ مٹھی بھر عرب سارے جہان پر چھا گئے تھے۔ گڈریے حکمران بن گئے تھے۔ اور "بدّو" دیدہ ور بن کر نظر آنے لگے تھے۔

پروگرامِ تزکیہ ــــ اس تضاد کا حل وہ پروگرام تزکیہ ہے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام لائے جو دوسروں کی نشوونما کا پروگرام ہے۔ اس پروگرامِ تزکیہ کے لئے جو کچھ دیا جائے گا اسے صدقات۔ انفاق العفو اور زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اس سے جہاں معاشرت کے غریب، مساکین، یتامیٰ، قرض دار، مسافروں اور بیواؤں کی مالی ضرورت پوری ہوگی۔ وہاں دینے والوں کی انسانی ذات، ذہین، خودی کی نشوونما بھی ہوگی۔ وہ یہ کچھ حق سمجھ کر دیں گے اور وہ حق سمجھ کر لیں گے۔

دینے کے حق کا تذکرہ

۱۔ وَ اٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (۶/۱۴۱)۔

اور کھیتی کاٹتے وقت ان کو ان کا حق دو۔

اگر اس کو عشر سے تعبیر کیا جائے تو بھی یہ پروگرام تزکیہ کا ہے۔

۲۔ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ (۱۷/۲۶؛ ۳۰/۳۸)

۳۔ وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (۵۱/۱۹؛ ۲۵-۲۴/۷۰)

طلاق والیوں کو ان کا حق دینا بھی اسلام کی شان ہے۔

وَ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۔ (۲/۲۳۶)۔

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (۲/۲۴۱)۔

۵۔ دینے کا یہ حق مرتے دم تک جائز ہی نہیں فرض قرار دیا گیا جس کو وصیت کہتے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ اِنِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (۲/۱۸۰)۔

یہ تھا دینے کے حق کا تذکرہ۔ اب اس کی مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔

رزق سے انفاق

.......وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲/۳، ۲۸/۵۴، ۳۲/۱۶، ۴۲/۳۸)۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (۲/۲۵۴، ۸/۳، ۳۵/۲۹)۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ..... (۲/۲۶۷)۔

یہاں انفاق کی کوئی حد فرض نہیں کی گئی۔ یعنی ضرورت کے مطابق انفاق ہوگا

مال سے انفاق

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۲/۲۶۲، ۲۲/۲۳)۔
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (۲/۲۷۴، ۱۳/۲۲، ۱۴/۳۱)
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (۳/۹۲)، ۹/۲۰، ۹/۹۹)۔
هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۴۷/۳۸، ۵۷/۱۰)۔
وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ (۵۹/۷)۔
وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (۵۹/۹)۔

مال سے انفاق کی کوئی خاص حد فرض نہیں کی گئی۔ دینے کی ترغیب دی گئی۔

صدقات

مرکزِ ملت کی طرف سے دینا/اور وصول کرنے والے (عاملین علیہا)۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (۹/۵۸، ۹/۷۹)۔
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

اِبْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ (۹/۶۰)

(۹۱-۹/۸)، (۷۶/۸)، (۱۸-۱۷/۸۹)۔

لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ ۔ (۹/۷۵)

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹/۱۰۳)؛ (۹/۱۰۴)۔

صدقہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔

ضرورت سے زائد دینے کا دور

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (۲/۲۱۹)۔

ضرورت سے زائد دینے والوں کے لئے "تَتَفَكَّرُوْن" کا کتنا بڑا منشور اور اقوامِ عالم کے لئے کتنا بڑا چیلنج بن گیا ہے۔ عام انفاق کرنے والے اور صدقہ دینے والے حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔ اس کا جواب یوں دیا گیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۷/۱۹۹)۔

اُن سے ضرورت سے زائد لو اور یہی معروف حکم دو۔ جو ضرورت سے زائد نہیں دینا چاہتے ان جاہلوں سے کنارہ کر لو۔ ان کو سمجھایا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ وحی کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ جاہل کس کو کہا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کے ابوجہل وہ لوگ ہیں جو ان دو آیات (۲/۲۱۹، ۷/۱۹۹) پر غور و فکر نہیں کرتے، کیونکہ اس سے ان کی سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے انفاق و صدقات میں حد کا تعین، جس پر کبھی تو عمل ہونا چاہیئے۔

صلوٰۃ، زکوٰۃ، انفاق مال کی مترادف اصطلاح برائے پروگرام تزکیہ

۱۔ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲/۳)۔

۲۔ اصحابِ کہف میں سے ایک نے کہا۔

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا (۱۸/۱۹)۔

۳۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲/۴۱)۔
یہ ہے اسلامی حکومت کی ترجیحات کا چارٹر۔ اب آپ آیت ۲/۳ اور ۲۲/۴۱ کو اکٹھا پڑھیں۔ زکوٰۃ کا لفظ انفاق رزق کی جگہ آسکتا ہے۔ پھر آپ صدقات و انفاق کی مُحلہ درج شدہ سابقہ آیات کو سامنے لائیں، بات صاف ہو جاتی ہے۔

ہاں

اگر آپ اس کو مملکت کے ذرائع آمدن اور اخراجات کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو انفاق، صدقات (ٹیکس) کے معاملات میں آجاتے ہیں اور زکوٰۃ ڈویلپمنٹ ایڈ کا ایک جامع پروگرام بن جائے گا۔ جس کی آمدن (انفاق و صدقات) سے آئے گی۔ یا دینے والا پروگرام تزکیہ کے تحت زکوٰۃ فنڈ کے نام پر بھی دے سکتا ہے۔

بہرحال زکوٰۃ کی موجودہ ۲½ فیصد شرح قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتی۔ حدیث میں جہاں ۲½ فیصد کا ذکر آیا ہے وہاں لفظ " صَدَقَة " ہے نہ زکوٰۃ۔

شہد کی مکھی کا نظامِ حیات اور حیاتِ کلیہ پر مخالفین کا ردِ عمل

۱۔ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ...... فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ.... (۱۶/۶۹)

۲۔ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۱۱/۶)۔

۳۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۶/۴۷)۔

شہد کی مکھی وحی کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے۔ اگر انسان بھی وہی زندگی اختیار کریں تو ان کے لئے بھی وحی شفا رشفا ہے۔ اس طرح خدا کی وہ ذمہ داری پوری کرنے والے صاحب عزم و حوصلہ ہر دابۃ کو رزق دلا سکتے ہیں اور کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ صرف شہد کی مکھی کے نظامِ حیات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ورنہ مخالفین تو کہہ رہے ہیں (۳۶/۴۷)۔ کہ اگر خدا چاہتا تو خود انہیں رزق کھلا دیتا۔ ہم کیوں رزق خرچ کریں۔ انسانوں کی یہی بڑی گمراہی ہے کہ وہ انسانی دنیا میں خدا کی براہِ راست مداخلت سے ہر شخص کو رزق دلانا چاہتے ہیں اور اس وقت انسانی اختیار و ارادہ اور پابند فطرت مخلوق کے فرق کو بھی بھول جاتے ہیں۔

انسانی دنیا میں اختیار و ارادہ سے تمام امور طے پاتے ہیں اور وحی سے مسلسل انکار کرنے والے نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ وہ قوم آجاتی ہے جو وحی کے مطابق معاشرہ کی تشکیل کر کے عمرۂ ثانی کا کردار ادا کرنے کی اہل ہو۔

پروگرام تزکیہ

۱۔ ہر انسان میں کچھ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ جن کے مطابق وہ آئندہ چل کر ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، آثار الارض کا ماہر، استاد، زبانوں کا ماہر بن سکتا ہے۔ اسلام کا نظام تعلیم ہر بچے کی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یوں ترتیب دیا جائے گا کہ ہر بچے کی صلاحیتیں پوری طرح نشوونما پا سکیں۔

۲۔ ہر بچہ جسمانی طور پر مناسب و متوازن خوراک سے تنومند اور طاقتور بن سکتا ہے۔ اسلامی نظام معاشرے کے ہر بچے کے لئے متوازن خوراک کا بندوبست کرے گا تاکہ کوئی بچہ کمزور و ناتواں نہ رہ جائے۔

اس عظیم پروگرام کی تکمیل کے لئے معاشرے کو ایک ضرورت سے زائد سب کچھ اس پروگرام تزکیہ کے لئے وقف کر دینا ہوگا۔ تاکہ یہ پروگرام ہر حالت میں چالو کیا جائے اور پھر اسے جاری رکھا جائے۔

۳۔ بچوں کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما کے ساتھ ساتھ معاشرے کے بلے گھر افراد کو سب سے زیادہ اوّلیت دی جائے گی۔

۴۔ بالغوں کے لئے ذرائع ابلاغ اور مساجد میں درسِ قرآن کا ملک گیر بندوبست کیا جائے گا۔

سوال:۔ اُمّت اور جماعت میں کیا فرق ہے اور یہ کہ کیا جماعت کا لفظ امت کے لئے استعمال کرنے سے معنی و مفہوم میں فرق اور اعجازِ قرآن کی نفی کرنا نہیں ہے؟

جواب:۔ لاہور میں دوسری مسلم سربراہی کانفرنس کے موقع پر کاتب حضرات نے کپڑے پر بڑے ہی شاندار انداز میں حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر

ے　"ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر"　　لکھا تھا۔

باقی چیزیں انگریزی یا عربی میں تھیں۔ اُردو میں یہی ایک شعر تھا۔ عرب مندوب بڑے غور سے اس کو دیکھتے تھے۔ اقبالؒ کے لفظ سے وہ سمجھ جاتے تھے کہ اقبالؒ نے لکھا ہے۔ آخر وہ پوچھنے

لگے کہ یہ کیا لکھا ہے۔ جب ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے جن الفاظ میں حضرت علامہ اقبالؒ کو خراج تحسین پیش کیا۔ ان میں سب سے بڑا اور دیرپا اثر والا یہ فقرہ تھا۔

"یہ مسلمانوں اور قرآن کی صحیح ترجمانی ہے"

حضرت علامہ اقبالؒ نے اس کے لئے "ایک ہوں" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

پاکستان کے اندر ہم جو الفاظ استعمال (امت یا جماعت) کرتے ہیں وہ حضرت علامہ اقبالؒ کے تصور "ایک ہوں" سے بہت کمتر ہیں۔ اگر "ایک ہوں" کے مقابلے کا لفظ تلاش کیا جائے تو وہ لفظ "ملت" ہے "ملتِ ابراہیمی"۔

اس کے لئے "ملتِ اسلامیہ" کا لفظ استعمال کرنا چاہیئے۔ اگر اس لفظ کے مرتبہ کو کم کیا ہے تو شیعہ حضرات نے، جنہوں نے ملتِ جعفریہ کا نیا لفظ ایجاد کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی ترجمانی کا تقاضا ہے کہ "ملتِ اسلامیہ" کا لفظ اپنے تقدس اور اجتماعات کی ترجمانی کو برقرار رکھے اور "ملتِ جعفریہ" کے استعمال سے اس کو کمتر نہ کیا جائے۔ اگر عدالت چاہے تو میں اس کے لئے ایک الگ درخواست بھی پیش کر سکتا ہوں۔ جس میں استدعا کی جائیگی کہ شیعہ حضرات کو ملتِ جعفریہ کا لفظ استعمال نہ کرنے دیا جائے۔

اب میں اُمت اور جماعت کے الفاظ کی طرف آتا ہوں۔

۱۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (۹/۱۲۲)۔

۲۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۳/۱۰۳)۔

یہاں جَمِيْعًا (جماعت) کا لفظ کثرت کے لئے آیا ہے۔ جس کے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہیں۔ یہاں "جَمِيْعًا" کا لفظ اقبالؒ کے لفظ "ایک ہوں" کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ اعجاز قرآن کی ایک بڑی مثال ہے۔

۳۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (۳/۱۰۴)۔

اگر کُمْ سے مراد نوعِ انسانی لی جائے تو یہ امت "اُمَّةٍ مُّسْلِمَةً" ہوگی۔

۴۔ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ..... (۳/۱۱۳)۔

اس نقطۂ نظر سے امت اور جماعت کا لفظ مترادف ہے۔ البتہ ملت کا لفظ بلند و بالا ہے۔

سوال:۔ فرقہ اور مکتبِ فکر میں کیا فرق ہے۔ کیا فرقہ بندی اسلام میں شرک (۳۲-۳۰/۳۱، ۶/۱۶۰) نہیں

ہے۔ اور یہ کہ آج ملّتِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے مختلف گروہ جو اپنے آپ کو مکاتبِ فکر کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں۔ کیا اصل میں مذہبی فرقے نہیں ہیں؟

جواب:۔ مکاتبِ فکر کی اصطلاح کہاں کہاں تک زیرِ استعمال ہے۔ اس کا تجزیہ بڑا دلچسپ ہوگا۔

۲ تا ۴ اپریل ۸۷ء پاکستان اسٹڈی سنٹر جامعہ کراچی میں، علامہ اقبال کی کتاب "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کے موضوع پر ایک سیمینار ہؤا۔ آپ اس کی کاروائی ملاحظہ فرمائیں۔

"اس سیمینار میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور دانشوروں کو دعوت دی تاکہ وہ اپنے اپنے زاویۂ نظر سے فکرِ اقبال پر روشنی ڈالیں۔ اس طرح ہمیں فخر ہے کہ ہم نے ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ حضرات کا ایک رنگا رنگ گلدستہ تیار کیا۔ جن کے افکار اب کتابی شکل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔"

(اقبال، فکر اسلامی کی تشکیل جدید، صہ)

جو فرقے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائیں۔ اگر وہ فکرِ اقبال کو مرکز مان کر گلدستہ بن سکتے ہیں، تو وہ قرآن کو مرکز مان کر گلدستہ کیوں نہیں بن سکتے۔ اس طرح ہم انہیں مکاتبِ فکر کی جگہ وحدتِ فکر بھی تو کہہ سکتے ہیں۔ اب ایک دوسرا حوالہ ملاحظہ ہو۔

"بصرہ بہت جلد ایک بین الاقوامی شہر بن گیا اور تمام مکاتبِ فکر، مذاہب اور تمدنوں کے لوگ یہاں جمع ہونے لگے اور مسلمانوں سے ان کے عقائد و افکار کے متعلق طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔" (ص ۲۹)

اب ایک تیسرا حوالہ ملاحظہ ہو۔

امام غزالیؒ کی وفات ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء میں ہوئی۔ اس سے پہلے تیسرا دور قرار دے کر لکھا گیا ہے۔

"مختلف مراکزِ علم و فکر میں علماء و دانش ور اپنے اپنے مکاتبِ فکر کو پوری مذہبی آزادی، باہمی رواداری اور تعمیری تنقید و اختلاف کے ساتھ آگے بڑھا رہے تھے اور اسلامی تمدن مالا مال ہو رہا تھا۔" (ص ۳۵)

اب چوتھا حوالہ ملاحظہ ہو۔

"امام غزالی نے ایک طرف تو اسلام کی ان معنوں میں بہت بڑی خدمت کی کہ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کو یکجا کر دیا۔ دوسری طرف ان معنوں میں یہ

کوشش منفی ثابت ہوئی کہ اس کے بعد اسلام میں نئی فکر کے تمام سوتے بند ہوگئے۔" (ص ۳۶)۔

اور اب مکاتبِ فکر کا تضاد ملاحظہ ہو۔

"مصر کے مشہور عالم شیخ محمد عبدہٗ اپنے زمانہ طالب علمی میں جمال الدین افغانی کے زیر اثر معتزلہ کے کلام کی ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے الازہر کے کسی استاد نے شیخ عبدہٗ کے ہاسٹل کے کمرے میں یہ کتاب دیکھ لی اور صرف اس جرم میں کہ معتزلہ کی ایک کتاب ان کے کمرے میں پائی گئی تھی۔ شیخ عبدہٗ کو الازہر سے نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ الازہر کے نصاب تعلیم میں اشاعرہ کے علاوہ کلام کے تمام دوسرے مکاتبِ فکر، مصدقہ اور مستند اسلام کے دائرے سے باہر قرار دیے گئے تھے۔" (ص ۳۷-۳۶)

گویا اشاعرہ اور معتزلہ پہلے فرقے تھے جو ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے۔ ملاحظہ ہوا یہ اسی کتاب کا حوالہ ہے جو مختلف مکاتبِ فکر کا ایک گلدستہ پیش کرنے پر نازاں ہے۔

اب ہم ان مکاتب فکر کے تضادات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ "ایک ہی مذہب کے اندر مختلف مدرسہ ہائے فکر پیدا ہونے لگتے ہیں۔" (ص ۱۸)

۲۔ "دنیا کا کوئی مذہب اس عمل سے محفوظ نہ رہ سکا۔" (ص ۱۸)۔

۳۔ "مسلمانوں میں ایک نیا تشدد پسند (FANATIC) گروہ خوارج کے نام سے پیدا ہوگیا۔ یہ بدوی عربوں کا وہ گروہ تھا جس نے پہلے تو حضرت علیؓ کے ساتھ امیر معاویہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر عمرو بن العاص کی سازش کا شکار ہوکر حضرت علیؓ کو جیتی ہوئی جنگ روکنے پر مجبور کر دیا۔ پھر ثالثی (ARBITRATION) کے مسئلہ پر حضرت علیؓ سے باغی ہو گیا" (ص ۲۲)

۴۔ "وہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب مسلمان کو کافر کہتا اور واجب القتل سمجھتے تھے۔" (ص ۲۲)

۵۔ "پوری تاریخ اسلام میں مسلمانوں کے ہر فرقے نے ہمیشہ خوارج کی مذمت کی ہے۔" (ص ۲۲)

۶۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر مسلمانوں میں ایک اور گروہ پیدا ہوا۔

"ان داخلی حالات میں مسلمانوں کا پہلا مدرسہ فکر معرضِ وجود میں آیا جس کو "مرجئہ" کہا جاتا ہے۔" (ص ۲۳)۔

۷۔ اس گروہ کا عقیدہ یوں پھلا پھولا کہ
"جو شخص بھی کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ امتِ مسلمہ کا فرد ہے۔" (ص۲۳)۔
اب آپ اس کا ردِ عمل ملاحظہ فرمائیں۔
۸۔ جلد ہی مسلمانوں کا یہ پہلا مدرسۂ فکر عوام کی اخلاقی آزادیوں اور بے راہ روی کے لئے جواز فراہم کرنے لگا۔" (ص۲۴)
"بنو اُمیہ نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔" (ص۲۴)
"اسلام میں مذہب اور ریاست دو الگ الگ ادارے ہو گئے۔ اب علماء کا کام دین و علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت ہو گیا اور بنو اُمیہ سیاست و حکومت کے مختارِ کُل ہو گئے جن کی اطاعت مذہبی بنیادوں پر تسلیم کر لی گئی۔" (ص۲۵)
"بنو اُمیہ کی حکومت میں وہی رشتہ قائم ہو گیا تھا جو آج کے یورپ میں چرچ اور سیکولر اسٹیٹ میں ہے۔" (ص۲۵)۔
ظاہر ہے کہ اس کے بعد مذہبی فرقوں کی حد تک ان کی آپس میں سر پھٹول شروع ہو گئی۔ نئے نئے فرقے پیدا ہوتے گئے۔ ایک دوسرے کے خلاف انتہا بھی کرتے رہے۔ کُفر کے فتوے بھی لگاتے رہے۔ ان حالات میں مکاتبِ فکر کو مذہبی فرقہ کہنا غلط نہ ہو گا۔ ہاں اگر وہ رواداری سے قرآن کو مرکز مان کر اختلافات ختم کر دیں تو پہلے قدم کے طور پر مکاتبِ فکر کی وحدتِ فکر تسلیم کی جا سکتی ہے اور مختلف موضوعات پر یہ مکاتبِ فکر اپنی وحدتِ فکر کے آثار پیدا کر کے وحدتِ ملت میں ضم ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک فرقوں اور قرآن کا تعلق ہے، بہ نصِ صریح یہ شرک کے دائرہ میں آ جاتے ہیں کیونکہ وہ متوازی احکام رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی خلیج شیعہ اور سُنی مکاتبِ فکر (فرقوں) کی ہے۔
محرم کے دنوں میں شیعہ سُنی بھائی بھائی کا نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن اس کی بنیاد مستحکم نہیں ہوتی۔

پاکستان میں انجمن سپاہِ صحابہؓ کے نعرے ہیں۔
"بغضِ صحابہؓ ۔ لعنت اللہ۔"
"حُبِّ صحابہؓ ۔ رحمت اللہ۔"
یہ اور اس کے دیگر نظائر متشدد بن جاتے ہیں۔ اگر تمام فرقوں کے سربراہان قومی اسمبلی کو یہ حق

دے دیں کہ ہم اس کی قانون سازی تسلیم کرتے ہیں، تو بھی وحدتِ فکر پیدا ہو سکتی ہے ورنہ فرقہ بندی کا شرک جو گُل کھلاتا ہے۔ جو خون بہاتا ہے وہ اس کی منہ بولتی تصویر ہوتا ہے کہ

"اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"

اور ہمارا مقصد شرک کے خاتمہ کے ساتھ، فتنہ کا خاتمہ بھی ہے۔ اسی لئے خدا نے شرک کے لئے "ظُلْمٌ عَظِيْمٌ" کا لفظ قرآن میں شامل کیا ہے۔

سوال:۔ کیا اسلامی ریاست میں سیاست، مملکت کو چلانے کا علم و عمل دین کا جزو لاینفک نہیں ہے اور یہ کہ کیا موجودہ سیاسی گروہوں یعنی پارٹیوں کی بنیاد آپس میں بنیادی سیاسی اختلافِ رائے پر نہیں ہے۔ اور کیا یہ عمل کردار دین میں اختلافِ رائے کر کے گروہ (شِيَعًا) بننا نہیں ہے؟

جواب:۔ "اسلامی ریاست" میں سیاست (مملکت چلانے کا عمل) اور اس عمل کے لئے بنیادی علوم کا حاصل ہونا انتہائی ضروری تھا اور آج بھی ضروری ہے۔ یہی علم و عمل، خلیفہ اور "اولی الامر" کا وہ کارنامہ تھا جس کے زورِ دَرُوں سے ان کا ظاہر و باطن ہم آہنگ رہا۔ اسلامی ریاست کو ایسے ہی "مردانِ کامل" بہتر طور پر چلا سکتے ہیں جن کے علم و عمل کی بنیاد کے طور پر ان کا ظاہر و باطن ہم آہنگ ہو اور یوں وہ معاشرے کو تضادات کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے ہر مشکل موڑ پر خود اپنی سادگی اور کردار کا نمونہ بار بار پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

صدرِ اوّل کا دورِ سعادت مآبؐ اس لحاظ سے بھی منفرد اور بے مثال ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور تربیت فرمانے والے کا اپنا یہ حال تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس ہستی کے لئے "اسوہ حسنہ" اور "خلق عظیم" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اب ہم علم و عمل کے حوالہ سے تاریخ اسلام کا کچھ جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ

"یہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔" (ص۱۱)

(اسماء الرجال، از نور محمد، کارخانہ تجارت مکتب کراچی)

اس سے ان کی علمی قابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور جس کو صدیق کا لقب ملے، اس کے عمل میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا بلکہ شک کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ

اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے ان کا کتنا نمبر تھا۔

"چالیسویں مرد حضرت عمرؓ ہی تھے۔" (ایضاً ص۶۱)

ان کے علم کے بارے میں حقائق ملاحظہ ہوں۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی میں یقین رکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے علم کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام رُوئے زمین کے زندہ انسانوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم والا پلڑہ جُھک جائے گا اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ دس میں سے نو ۹ حصے علم کے اپنے ساتھ لے گئے۔" (ایضاً ص۶۲)

تاریخ میں یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تربیت رہ کر ایسے دیدہ ور کا شاہکار رسالت بن جانا واقعی یقینی ہے۔ اس کو کہتے ہیں چار چاند لگ جانا۔ بے شک انہوں نے اپنی اوّلیات کے لحاظ سے ایک مکمل ترین اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اپنے علم و عمل سے تاریخ عالمِ انسانی میں ایک منفرد مقام پایا

حضرت عثمانؓ

"آنحضرت کے زمانہ میں کاتب وحی اور حضرت عمر اور ابوبکر کے زمانہ میں معتمد اور امین رہے اور لوگ بڑے بڑے امور میں ان میں سے مشورہ لیتے ہیں۔"

(تاریخ الامت جلد دوم ص۱۵۴ - ۱۵۳)

کاتبِ وحی کا علم کسی سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ

"آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ہی ایمان لائے۔"

(تاریخ الامت جلد دوم ص۱۹۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط یہی لکھتے تھے۔"

(ایضاً ص۱۹۴)

اس سے ان کے علم و عمل کی شہادت بڑی قوی ہو جاتی ہے۔

سوال کی نوعیت کے لحاظ سے ہم نے جواب کو علم کے سراغ اور عمل کے تعلق کے ساتھ پیوست کیا ہے۔ ان کی خلافت، فتوحات اور اوّلیات کی طوالت میں جانے سے سوال کی رُو سے دوری ہو جانے

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشیر احمد عابد

ایک خط ـــــ ایک وضاحت

"تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر ۲۹۵ سی سے متعلق چند گذارشات"

-- شائع کردہ روزنامہ ڈان کراچی مؤرخہ ۳۱ اکتوبر

۱　مذکورہ بالا دفعہ کے مطابق شاتمِ رسولؐ کے لئے "موت" یا "عمر قید" کی سزا مقرر ہے۔ اس سزا کو مدعی نے چیلنج کیا اور دعویٰ کیا کہ شاتمِ رسولؐ کے لئے صرف اور صرف "موت کی سزا" مقرر کرنی چاہیئے۔

۲　مدعی نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن و سنّت میں شاتمِ رسولؐ کے لئے سخت ترین سزا کا حکم ہے۔ اس ضمن میں قرآنِ کریم کی چند آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن سنّتِ رسولؐ سے کوئی واقعہ درج نہیں کیا گیا۔

۳　"سخت ترین سزا" کو "موت کی سزا"، کس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے، دعویٰ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مدعی کی اس دلیل کی حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ قرآنِ کریم میں ہر حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کے لئے "سخت ترین سزا" کا ذکر ہے۔ مثلاً۔ عذابِ الیم، عذابِ شدید، عذابِ عظیم، عذابِ مہین، عذابِ جحیم، غضبِ اللہ، لعنت اللہ اور یہ وہی الفاظ ہیں جو محولہ آیات میں بھی مذکور ہیں۔ کیا ہر صورت میں سخت ترین سزا کو موت کی سزا سمجھا جائیگا۔

۴　اس دعویٰ میں قرآنِ کریم کی جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مثلاً ۴/۶۵، ۶۲-۶۱/۹، ۵۷/۳۳ــ ۶۱-۶۰/۳۳، ۲/۴۹۔ ان سب میں گستاخیٔ رسولؐ کا جو پہلو نکلتا ہے وہ یا تو آپؐ کے احکام کی خلاف ورزی ہے، یا پھر آپ کو اذیت دینا ہے جس کے لئے لفظ "یُؤْذُوْنَ" استعمال ہوا ہے۔ اس ضمن میں دو وضاحتیں ضروری ہیں:-

(ا)　کیا رسول اللہ کی ہر بات کی خلاف ورزی کو گستاخیٔ رسولؐ پر محمول کیا جائے گا؟ اور پھر اس نسبت

سے کیا ہر خلاف ورزیٔ سنّت کی سزا موت ہوگی؟

(ب) کیا "یُؤذُوْنَ" کا لفظ گستاخیٔ رسولؐ سمجھا جا سکتا ہے؟ یہ لفظ رسولؐ کے علاوہ اللہ، مومنین اور مومنات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور ان کو "یُؤذُیْنَ" کرنے والوں کی بھی سزا "قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا" (۵۷، ۳۳/ ۳۳ اور ۶۱۔ ۶۰/ ۳۳) مقرر کی گئی ہے۔ کیا ان کے ضمن میں بھی سزا موت دی جائے گی؟

۵ قرآن کریم کے مطابق واضح طور پر، سزائے موت صرف دو صورتوں میں دی جا سکتی ہے:۔

(۱) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ......اَوْ.... (۲) فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ...... اس کے علاوہ کسی ایک انسانی جان کے ضیاع کو بھی پوری نوعِ انسان کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے......

فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا..... (۳۲/ ۵)

---

۶ قتلِ عمد اور فساد فی الارض کے ضمن میں بھی، موت کی سزا کو غیر اختیاری یعنی (THE ONLY OPTION) قرار نہیں دیا بلکہ اس کے لئے بھی مختلف صورتیں تجویز کی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) قتلِ عمد..... وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ.........

ا جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا

ب وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ

ج وَلَعَنَہٗ

د وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (۹۳/ ۴)

(۲) فساد فی الارض اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا

ا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا

ب اَوْ یُصَلَّبُوْٓا

ج اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ

د اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط (۳۳/ ۵)

واضح رہے کہ، قرآن کریم کا ہر لفظ اور ہر حکم منفرد اور جداگانہ معنی رکھتا ہے۔ ان آیاتِ کریمہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ کسی جذباتی برہمی کا مظہر نہیں، بلکہ مختلف اختیارات (OPTIONS) کو ظاہر کرتے ہیں اور ایک عدالت، قوانینِ خداوندی کے نفاذ کے سلسلے میں موقع و محل کی نسبت سے استعمال کر سکتی ہے۔

۷ قرآنِ کریم نے اپنے جملہ احکامات کے لئے "حدود" کا لفظ استعمال کیا ہے اور حدود میں موقع و محل کی نسبت سے لچک یا OPTIONS کا پایا جانا لازمی امر ہوتا ہے۔

---

۸ قرآنِ کریم کی جملہ تنذیرات و تعزیرات کا مطلوب و مقصود "اصلاحِ فرد" یا "اصلاحِ معاشرہ" ہے۔ اسی لئے قوانینِ خداوندی، خواہ یہ طبعی ہوں یا معاشرتی، کی خلاف ورزی کرنے پر مکمل تباہی فوری نہیں ہوتی بلکہ مسلسل اور بتدریج ہوتی ہے۔ ہر عمل اور اس کے نتیجے کے ظہور میں ایک متعین مدت یعنی اجلِ مسمّیٰ ہوتی ہے اور یہ وقفہ مسلسل عبور ہوتا ہے۔ لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۶:۶۷) جو لوگ اس وقفہ کے دَوران اصلاح کے خواستگار ہوں ...... فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶:۵۴)۔ خدا کے قانون کے مطابق انہیں حفاظت (مغفرت) اور نشوونما (رحمت) تمام ذرائع میسر ہوتے ہیں۔ خدا کی یہ صفت (مغفرت و رحمت) ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جو اس کے نام پر عدل و انصاف کا علم بلند کرتے ہیں۔

---

۹ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ متوازن روش اختیار کرے کیونکہ خدا کے نزدیک یہی پسندیدہ انداز ہے احسنو... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (حُسن خوبصورتی کو کہتے ہیں اور خوبصورتی نام ہے توازن کا۔)

---

۱۰ مومن کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں "عَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" اور اپنے غیض و غضب کو تخریب سے تعمیر کی طرف پلٹ دیتے ہیں، "كَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ"

---

۱۱ مومنین کے لئے یہ حکم بھی ہے کہ اپنے نظامِ حیات میں (دین) غلو سے کام مت لو اور خدا کی طرف سوائے حق بات کے کچھ نہ منسوب کرو (۴:۱۷۱) اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ حق بات کا واحد سرچشمہ قرآنِ کریم ہے۔

---

۱۲ اس طرح یہ حکم بھی ہے کہ اپنے سرکش جذبات کی کبھی بھی پیروی نہ کرو۔ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ.. (۲:۱۶۸) کیونکہ یہ جذبات تمہیں سُوء اور فحشاء کیلئے مجبور کرتے ہیں (يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ) یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خطرناک اور سنگین حرکت یہ سرزد ہو جاتی ہے کہ انسان ان جذبات کی تسکین کے لئے ایسی باتیں بھی خدا کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتا ہے جن کا اسے قطعی علم نہیں ہوتا۔

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۲:۱۶۹)

---

۱۳ مندرجہ بالا تمام نکات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یعنی یہ کہ قرآن کریم میں سزائے موت صرف قتلِ عمد اور فساد فی الارض کے لیے مقرر ہے (۵) اور یہ کہ اس سزا میں بھی آپشن موجود ہے (۲-۱ : ۶) اور یہ کہ گستاخیٔ رسولؐ کی سزا اور نوعیت کا ذکر قرآن کریم میں واضح نہیں (۴، ۳) اور یہ کہ قرآن کریم کے ہر حکم میں لچک اور اصلاح مضمر ہے (۸) اور یہ کہ قوانین نہایت بلند صفات اور ان کے فیصلے نہایت تعمیری نتائج کے حامل ہوتے ہیں (۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹)۔ یہ بجا طور پر درخواست کی جاسکتی ہے کہ مذکورہ دفعہ میں جو آپشن (OPTION) موجود ہے اسے ختم نہ کیا جائے بلکہ اگر ممکن ہو تو اس میں مزید لچک پیدا کی جائے۔ ناموسِ رسالت کا تحفّظ ہر مسلمان کی ذمّہ داری ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر قرآن کریم ہم پر ایک اور ذمّہ داری عاید کرتا ہے اور وہ ہے انسانی جان کا تحفّظ:۔

مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (۵/۳۲)

"جس نے ایک انسانی جان کو بھی بچا لیا۔ یوں سمجھئے کہ اس نے پوری نوعِ انسانیت کو بچا لیا"

واخر الدعوانا ــــــ اے اللہ ہمیں اپنے قوانین سے ہم آہنگ کردے!

مومن

اپنی بالادستی نہیں چاہتے قانونِ خداوندی کی چاہتے ہیں (۲۸/۸۳)

صحیح راستہ

صرف وہ ہے جسے اللہ نے (اپنی کتاب) میں بتایا ہے۔ (۲/۱۲۰، ۳/۷۳)

اسلاف کے متعلّق

بس اتنا عقیدہ چاہیئے کہ وہ ہمارے بھائی تھے جو ایمان کے ساتھ رخصت ہو گئے خدا ان کی مغفرت کرے۔ (۵۹/۱۰)

قرآن بچّوں کے لئے

قاسم نوری

تقدیر

السّلام علیکم بچّو! آج ہم آپ کو ایک اہم موضوع کے بارے میں بہت ہی دلچسپ باتیں بتائیں گے۔ ایک لفظ ہے 'تقدیر' یہ لفظ آپ نے اکثر سنا ہوگا۔ اردو میں اسے قسمت، نصیب، مقدر اور انگریزی میں FATE یا FORTUNE کہتے ہیں۔ مطلب ان سارے لفظوں کا یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہ کچھ کر سکتا ہے نہ اپنی کوشش سے کچھ بن سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ کرنا یا بننا ہوتا ہے پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔ اسے تقدیر کہتے ہیں اور تقدیر کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا۔ یہ عقیدہ دنیا کے ہر مذہب میں موجود ہے اور اس طرح کے جملے ساری دنیا میں بولے جاتے ہیں۔

لیکن بچّو! قرآن کی رُو سے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمّہ دار ہے۔ دُکھ یا سُکھ اسے جو بھی ملتا ہے وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (6/70 ، 29/55)۔ علامہ اقبالؒ کے مطابق ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور اللہ کے فرمان کے مطابق، انسان اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارے تو وہ بہترین مخلوق قرار پاتا ہے (98/7) اور اگر اللہ کے احکام سے روگردانی کرے تو

بدترین مخلوق بن جاتا ہے (۹۵/۶)۔ یعنی یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ بہترین مخلوق بن جائے یا بدترین۔ کوئی مجبوری نہیں کوئی پابندی نہیں۔ وہ اپنے عمل میں مکمل طور پر آزاد ہے۔

تمہیں ایک دلچسپ واقعہ سناتے ہیں...... اسلام کے ابتدائی زمانے میں صحابہ کرامؓ علم کی پیاس بجھانے رسول اکرمؐ کے پاس آتے تو ان میں دشمن بھی آجاتے تھے جن کا مقصد ہی یہ ہوتا تھا کہ رسولؐ کی باتوں کا مذاق اڑائیں اور لوگوں کو رسولؐ اللہ سے بدظن کریں — ایک دن تقدیر کے مسئلہ پر بات ہو رہی تھی کہ ایک دشمنِ اسلام "بدو" کو موقع ہاتھ آگیا — وہ کھجوریں کھا رہا تھا ایک کھجور کو ہاتھ میں لہراتا ہوا بدتمیزی سے بولا " اے محمدؐ یہ کھجور جو میرے ہاتھ میں ہے — بتا کہ اس کھجور کا کھانا میرے مقدر میں لکھا ہے یا نہ کھانا؟

یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ فکرمند ہو گئے۔ وہ اس لئے کہ "بدو" تو رسول اکرمؐ کا دشمن تھا وہ تو وہاں آیا ہی اس لئے تھا کہ رسولؐ کی ہر بات کو جھوٹا ثابت کرے۔ اب اگر رسولؐ یہ کہتے کہ اس کو کھانا تیرے مقدر میں لکھا ہے تو وہ کھجور پھینک دے گا اور اگر رسول اکرمؐ یہ فرماتے کہ " تو نہیں کھائے گا " تو وہ فوراً کھا جائے گا بدو بہت خوش تھا کہ آج وہ رسول اکرمؐ کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن رسولِ اکرمؐ مسکرائے۔ انہوں نے جو فرمایا — اور پیارے بچو! ذرا غور سے سنو کہ رسولؐ اللہ نے تقدیر کا مفہوم کس طرح ایک ہی فقرہ میں سمجھا دیا۔ رسولِ مکرمؐ نے سب کی طرف مسکرا کر دیکھا پھر بدو سے کہا،

"جو تُو کرے تیری تقدیر ہے"

عزیز بچو ـــــ ! کچھ سمجھ میں آیا کہ اس جملے کا مطلب کیا ہوا ؟ اس کا مطلب ہوا کہ " انسان جو کرے وہی اس کی تقدیر بن جاتا ہے " اپنی تقدیر انسان خود بناتا ہے۔ یعنی وہ بدو اگر کھجور کھالیتا تو یہی اس کی تقدیر تھی۔ اور اگر نہ کھاتا تو نہ کھانا اس کا مقدر ہوتا۔ بدو کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں تھی۔

پیارے بچو! اب تقدیر کے معنی بھی سمجھ لو۔ عربی زبان کا ایک لفظ ہے " قدر " اس کے معنی ہوتے ہیں 'پیمانہ'۔ اسی سے لفظ "مقدار" بنا ہے۔ اسی سے " مقدّر " بنا ہے اور اسی سے لفظ 'تقدیر' بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام " قادر " بھی ہے ـــــ جس کے معنی ہوتے ہیں 'قدریں یا پیمانے مقرر کرنے والا " یعنی ہر شئے کیلئے ایک قانون یا ضابطہ یا پیمانہ مقرر کرنے والا۔ جس کے مطابق کائنات کی ہر شئے عمل کرتی ہے اور اللہ کے مقرر کردہ ضابطہ اور پیمانہ کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ دیکھو یہی بات اللہ نے کس طرح قرآنِ کریم میں واضح کی ہے۔ فرمایا :-

" اللہ وہ ہے جس نے ہر شئے کیلئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔" ($\frac{76}{16}$ ، $\frac{65}{3}$)

اور پیمانے کے لئے اللہ نے تقدیر کا لفظ استعمال کیا ہے ـــ اس کائنات میں جس قدر سیارے، ستارے، پہاڑ، دریا، سمندر ہیں یا درخت، پودے، گھاس اور جھاڑیاں ہیں یا جانور ہیں - یہ سب اپنے اپنے اعمال کے لئے نہ آزاد ہیں نہ ذمہ دار وہ اسی لئے اپنے کسی بھی عمل کے لئے جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ نہ ان کا حساب کتاب ہوگا نہ ان کے لئے جنت دوزخ ہے ـــ ان سب کے اعمال اور زندگی کے مقاصد ان کے اندر ہی رکھ دیئے گئے ہیں۔ یعنی ان

کی تقدیریں پہلے سے لکھ دی گئی ہیں لیکن انسان ان سب سے مختلف ہے۔ وہ عمل کرنے میں تو مکمل طور پر آزاد ہے۔ لیکن اس کے ہر عمل کا نتیجہ اللہ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق نکلتا ہے۔ عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا تو فائدہ اٹھائے گا اللہ کے حکم کے خلاف ہوگا تو نقصان میں رہے گا۔ مطلب یہ کہ وہ عمل تو جو چاہے کرسکتا ہے لیکن اس عمل کا نتیجہ بدلنا اس کے بس میں نہیں۔ گویا ہر عمل کی تقدیر پہلے سے لکھی ہوئی ہے انسان جو عمل کرے گا وہی اس کی تقدیر ہوگی۔

لہٰذا انسان تقدیر کا پابند نہیں۔ وہ اپنے عمل سے جو چاہے بن سکتا ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند اقبالؒ

مریض ہو جاؤ تو....

خدا نے صحت کے لئے جو قوانین بنائے ہیں ان کے مطابق علاج کرو (۱۶/۶۹ و ۲۶/۸۰)

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی

مطبوعات کی قیمتیں اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء

نوٹ: اِن قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ کھلے پارے)	۱۵۰/۰۰ روپے	برقِ طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۶/۰۰ ″	شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ ″
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (فی پارہ)	۵/۰۰ ″	معراجِ انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ ″
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ مجلد)	۱۷۰/۰۰ ″	مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں (اعلیٰ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ ″
(تین جلدوں میں۔ فی جلد)	۶۰/۰۰ ″	(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۲۰/۰۰ ″
لغات القرآن۔ (مکمل سیٹ۔ مجلد۔ ایک جلد میں)	۲۸۵/۰۰ ″	انسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ ″
چار جلدوں میں (فی جلد -/۷۵)	۳۰۰/۰۰ ″	اسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ ″
تبویب القرآن۔ تازہ ایڈیشن (تین جلدوں میں)	۲۵۰/۰۰ ″	کتاب التقدیر (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ ″
ایک جلد میں	۲۴۰/۰۰ ″	جہانِ فردا	۴۵/۰۰ ″
مطالب الفرقان ۔ چھ جلدیں	۴۶۵/۰۰ ″	شاہکارِ رسالتؐ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ ″
(جلد اول، دوم۔ تازہ ایڈیشن۔ جلد سوم) ہر جلد	۷۵/۰۰ ″	نظامِ ربوبیت (اعلیٰ ایڈیشن) (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۲۰/۰۰ ″ ۴۰/۰۰ ″
مطالب الفرقان ۔ جلد چہارم	۹۰/۰۰ ″	تصوف کی حقیقت	۶۰/۰۰ ″
مطالب الفرقان۔ جلد پنجم و ششم (ہر جلد)	۷۵/۰۰ ″	قرآنی قوانین (ڈیلکس ایڈیشن)	۵۰/۰۰ ″
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ ″	(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۰/۰۰ ″
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ ″	سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۸۵/۰۰ ″
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ ″	(جلد اول ۴۰ روپے، دوم -/۲۰ روپے جلد سوم ۲۵/۰۰ ″)	

نام کتاب	قیمت
طاہرہ کے نام خطوط (ڈیلکس ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	" ۱۲/۰۰
اسلامی معاشرت	
مقام حدیث (تازہ ایڈیشن)	" ۱۰/۰۰
قرآنی فیصلے جلد اول (سابقہ اول، دوم، سوم)	" ۶۰/۰۰
جلد چہارم، پنجم (فی جلد)	" ۱۳/۰۰
ختم نبوت اور تحریک احمدیت	" ۴۵/۰۰
حسن کردار کا نقش تابندہ (تازہ ایڈیشن)	" ۱۲/۰۰
تحریک پاکستان اور پرویز (ڈیلکس ایڈیشن)	" ۲۵۰/۰۰
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	" ۷۰/۰۰
نوادرات ۔ مجلد	" ۷۵/۰۰
پیپر بیک	" ۶۰/۰۰
اسباب زوال امت	" ۳/۰۰
قتل مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	" ۸/۰۰
اقبال اور قرآن ۔ جلد اول ڈیلکس ایڈیشن	" ۴۵/۰۰
جلد دوم (ڈیلکس ایڈیشن)	" ۷۰/۰۰
پرنسپلز آف لا میکنگ ان اسلام (انگریزی)	" ۶/۰۰
ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION DELUXE	" 100/-
STUDENT	" 35/-
EXPOSITION OF The Holy QURAN	Rs. 200/-
ISLAMIC WAY OF LIVING	" 25/-

مطبوعات النور پرنٹرز

نام کتاب	قیمت
قبلۂ اول	۵۴/۰۰ روپے
لسان القرآن	" ۳۵/۰۰
وطن کی مٹی گواہ رہنا	" ۵۰/۰۰
تحریک پاکستان گولڈ میڈل	" ۱۲۰/۰۰
عزیز بھٹی شہید، نشان حیدر	" ۱۵۰/۰۰
تاریخ پنجاب اور افاغنۂ قصور کا کردار	" ۱۴۰/۰۰
معجم المفہرس (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	" ۲۰۰/۰۰
(اعلیٰ ")	" ۴۰۰/۰۰
پاکستان کے انکم ٹیکس قانون کی تفصیلات سٹوڈنٹ	" ۲۰۰/۰۰
PRACTICAL HAND BOOK OF INCOME TAX PROFESSIONAL EDITION	" ۵۰۰/۰۰

تصنیفات ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب

نام کتاب	قیمت
PHENOMENA OF NATURE & QURAN	" 84/-
THE HEAVENS, THE EARTH & THE QURAN	" 84/-
QURANOCRACY NCT DEMOCRACY	Rs. 50/-
FOOD AND HYGIENE IN ISLAM	" 9/-
GATEWAY TO THE QURAN	" 54/-
CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN	——
مظاہر فطرت اور قرآن	" ۱۳۲/۰۰

کتابیں ملنے کے پتے: طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور، پاکستان۔ فون ۸۷۹۲۳۶ * مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار، لاہور۔ پاکستان

followers of Husain Ahmad Madni were able to accomplish that what their predecessors in the *Jamiat Ulema-i- Hind* could not, in their life-time-opposition to Iqbal and Jinnah. So did Maulana Madni surrender to Iqbal by writing in the Maktub: "the Islam on which Pakistan is founded is the other name of the philosophy of Iqbal." And why not? Iqbal was progressive and enlightened unlike the average Mullah whom he would persistently denounce in his poetry.

SHOULD THE RECEPIENTS OF THIS MAGAZINE AS A GIFT OR AS COMPLIMENTARY BE INTERESTED TO TAKE PART IN THE DIFFUSION OF QURANIC KNOWLEDGE, THEY ARE REQUESTED TO REMIT THROUGH CHEQUE, DRAFT OR MONEY ORDER A SUM OF RS. 60 TO

IDARA TOLU-E-ISLAM
25-B GULBERG-II
LAHORE

AS SUBSCRIPTION FOR THE YEAR 1991.

READ, UNDERSTAND AND FOLLOW TEACHINGS OF QURAN

Verses regarding the definition and the objective of the Shariah. The message is "Vie with each other in good deeds" that is, social justice, and not the mere enforcement of some punishments for some crimes.

The following quotations from the Holy Quran are also relevant:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ ..(۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰/ ۵۴)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷ : ۲۴)

> "Quran is easy" [Why make it entrusted to 'recognised' scholars to provide interpretations in finality].
>
> "Will they not ponder on the Quran? Are there locks upon their hearts. " {There is abundant need for pondering over the Quran afresh, as demanded by present times.}

Perhaps it is no-where written in the Holy Quran that this Book from Allah shall need interpretation from jurists of a certain time and that their opinions shall be final for all times to come!. In concluding this, I quote from an article by Dr. Javed Iqbal "Pakistan's Ideological Foundation" [The Nation, Lahore October 19th. 1990].

> 1. " Since Iqbal stands for a complete *Ijtihad* in *Muamalaat*, he agreeing with Imam Karkhi is of the view that the future generations of Muslims are bound by Ijma-e-Sahaba Karam only when it pertains to a question of fact. But when it provides an interpretation to a question of law, the future generations would not be bound by their *ijma'a* [unanimous decisions]-[Reconstruction Lectures 1986 ed. page 139].
>
> Similarly, relying on the views expressed by Shah Waliullah [Hujjat Allah al-Baligha] Iqbal believes that the "Islamic punishments for crimes are not an end in themselves and therefore they cannot be strictly enforced in the case of future generations. "Iqbal has reproduced the view of Shah Waliullah because he attaches more importance to the material blessings or benefits of Islam rather than the penalties for crimes".

The Shariat Bill, as a procedural law, does not provide a procedure for *ijtihad*, hence it is in contravention to the thought of Allama Iqbal, and shadows out the Islamic Ideological Council who have been deliberating on matters of *Ijtihad*, commendably well.

It is an irony of party politics that the two Senators Sami-ul-Haq and Qazi Abdul Latif, both of them

In its different grammatical forms the word appears as:

شَرَعَ	42:13 ...شَرَعَ لَكُم مِّنَ
شَرَعُوا	42:21 ...شُرَكَاءُ شَرَعُوا
شُرَّعًا	7:163 ...سَبْتِهِمْ شُرَّعًا
شِرْعَةً	5:48 شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا
شَرِيعَةٍ	45:18 عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ

42:13. He has ordained for you the faith which he enjoined on Noah and Which We have revealed to you, and which We enjoined on Ibrahim, Moses and Isa, Observe this Faith and be not divided therein. [The ordainer of the faith (or Shariah) is Allah the Law Giver. In law making only those Ahadith of the Holy Prophet are relevant which enunciate the Quran].

42:21 Have they partners who have made lawful to them in religion what Allah has not allowed. [This may mean that the *Fuqaha* may express opinions which their contemporary or later fuqahas can challenge. No finality to any Faqih].

7:163. Each Sabbath their fish used to appear before them floating on the water, but on week days they never came near them. Thus We tempted the people because they had done wrong. ["Faith" was corrupted in the past, by fuqaha!].

5:48 We have Ordained a law and a path for each of you. Had Allah pleased, he could have made you one [Nation] Ummah but that He might prove you by that which He has bestowed upon you, with one another in good works. For to Allah you shall return and He will declare to you what you have disagreed about.

[No faqih having claimed finality about his jurisprudence on the basis of this Holy Verse lest they be branded as ignorant men].

45:18 "And Now, We have set you on the right path. Follow it and do not yield to the desires of ignorant men". [Again, in this verse, the Law Giver is Allah through His Rasul (PBUH), and not the Rasul's followers, if their opinions be at apparent Variation from the Quran. Ayat 2,3,4 and Ayat 34 of Surah Nisa on four wives, and wife beating for example, have been interpreted by ancient fuqaha in a manner which is abhorrent to modern generation. History and biography cannot be a wholly reliable basis in interpretation of the Quran Historical/Critical Analysis of Traditions and Fatawa can be resorted to.]

I would not go into making an interpretation of the Holy

2. The Bill is not correct in stating that it is necessary to carry out the purposes of the said Resolution by enforcement of Shariah, because all the purposes embodied in the Resolution can't be fulfilled by enforcement of Shariah only, Shariah as defined in the Bill.

3. The Bill violates the Objective Resolution, hence contravenes the Constitution of Pakistan because in the Bill there is no role of making laws or amending laws for the elected representatives of people. Only a few of them shall be the members of Education Commission or Economics Commission to make recommendations along with other members representing the elite Experts. While contravening the constitution, the Bill violates the thought of Iqbal. Allama Iqbal advocated a Review, that is *Ijtihad* on the opinions expressed by ancient jurists. The Bill closes the door of *Ijtihad* for all times to come by defining the Shariat in the following words:

Definition[B]

> "Shariah" means the injunctions of Islam as are recognised by the Quran and Sunnah. While interpreting and explaining Shariah, the recognised [past tense] principles of interpretation and explanation of the Quran and Sunnah shall be adhered to, and, the guidance shall be sought from the interpretations and opinions of recognised Islamic Jurists."

The above quoted definition determines that principles of interpretation have been recognised in the past and a new principle cannot be added nor can the principles be amended. It also determines that apart from recognised jurists of ancient times, there can be no jurist in the future!

The Shariat Bill also seems to be closing the door for any law making in the future, and, that may be the reason why the elected Assemblies have not been mentioned. As according to the Bill, "Shariah shall be the supreme law in Pakistan". In other words, the opinions already expressed by jurists of ancient time, according to the principles of interpretation already recognised in the past, are in themselves an adequate body of Laws for the present times and all the needs of the future times!

It is needless to reiterate that Allama Iqbal had been advocating a need for "review" of the ancient opinion of the jurists of the past, who, themselves did not claim a finality about their opinions.

A question can be put whether Iqbal had the last word on the need for a review. whether Iqbal's study of the Holy Quran can be reassessed today? To answer this relevant question, an attempt is made to study the word "Shariah" appearing in the Holy Quran:

jurisprudents ought to be there to guide the elected persons. So, following the guidance provided in the thought of Iqbal a Council of Islamic Ideology was provided in the very first Constitution of Pakistan in 1956. It continues to be a constitutional body [Clause 228: Constitution of Pakistan] This Council does not have a veto power over the legislators unlike the constitutional provision of Wilayat-Faqeeh in the Iranian Constitution. In addition to the council, a Federal Shariat Court has been established under Clause 203 , against whose judgement on appeal lies with Shariat Bench of the Supreme Court under Clause 203 F, and, a decision of the Supreme Court on binding on the legislature, An example is the *Qisas* and *Diyat* ordinance, which the Supreme Court ordered to be promulgated by 12th day of Rabial Awwal 1411 year of Hijra. The National Assembly of Pakistan not being in session, the *Qisas* and *Diyat* was made a law by an Ordinance promulgated by the President of Pakistan, complying with the Supreme Court's Order. Another example of Islamic law making is provided by a High Court judgement, whereby *Riba* was prohibited as the legal right of the lender. The reference is made to a judgement of high scholarship by Mr. Justice Tanzilur Rahman of the Sindh High Court [All Pakistan Legal Decisions: Vol.29, 1987, page 466, PLD 1987, 116 1987]. In short, the Islamic provisions of the Constitutions of Pakistan are adequate enough already, whereby no law can be made, and SUCH existing laws cannot stay which may be repugnant to the Holy Quran and Sunnah. The Supreme Court, the High Courts, and the Council of Islamic ideology are performing, what may be truly called, an excellent job in the Islamization of the Muslim State of Pakistan. The thinkers, the jurists, and the philosophers of Pakistan are aware of the voluminous reports of the council, and, the exhaustive judgements of the superior courts of Pakistan. Then, why the Shariat Bill?.

To quote from the judgement of Mr. Justice Tanzilur Rahman, he ordered, "The Courts in Pakistan are bound by the Constitution, and any law repugnant to the Constitution is void. The principles and provisions of the Objective Resolution, by virtue of Article 2-A are now part of the constitution and justifiable.

While the excellent job was being performed adequately well, two Senators, Qazi Abdul Latif and Maulana Sami-ul-Haq managed to get a Bill passed by the Senate in 1990 which, if adopted by the National Assembly of Pakistan would be called: THE ENFORCEMENT OF SHARIAH ACT 1990'. This bill should not have been passed by the Senate on the following grounds.:-

The bill is not correct in stating that the Objective Resolution [Article 2-A of the Constitution] confers supremacy of Shariah in Pakistan because:

1. These words are not there in the Resolution, in fact the word Shariah does not appear any where in the Resolution.

SHARIAT AND IQBAL

by
HASAN MUIZUDDIN QAZI

The question is whether the Shariat Bill as passed by the Senate of Pakistan is in conformity with the Shariat as envisioned by Allama Iqbal?

The Bill does not refer to Iqbal. It refers to the Objective Resolution incorporated in the Constitution of Pakistan. The said resolution was passed by the Constituent Assembly of Pakistan in 1949 at the instance of the Muslim League members who were the makers of Pakistan-- a Muslim State which had been outlined by Allama Iqbal. The contemporary theologians, in the time of Iqbal had, by and large, opposed Iqbal. In their opinion Iqbal was a mere poet and philosopher and not a theologian. To quote from the book: Maktubat i Shaikhul Islam [Lahore 1944, Vol.3, page 141] Hussain Ahmad Madni states, "In Pakistan, the principles of Islamic legislation can indeed be formulated in the light of the thought of Iqbal, Because the Islam on which Pakistan has been founded is the other name of the philosophy of the late Iqbal." Whereas Iqbal proved his mettle in theological philosophy in his lectures "Reconstruction of Religious Thought in Islam " and other prose writings. To quote Allama Iqbal, the definition of Shariat is" The compilation of rulings/decisions of ancient jurists which cannot claim finality, but, due to changed conditions of modern life requires a review. In the words of Iqbal it is argued that, "Owing to a spectacular change that has taken place in modern times, new cultural needs have arisen. As a result the decisions of jurists, the compilation of which is generally known as Shariat-e-Islami required a review. I do not mean to say that there is any inherent defect in the injunctions of religion due to which they fail to provide appropriate legal solutions of our present day cultural problems. But I do wish to point out that under the broad and multi-dimensional principles laid down in the Quran and the Traditions some of the decisions given by the jurists at one time or another are indeed such which held good and were valid in those specific times, although they may not be quite applicable to and suitable for our present day needs and requirements" (Papers, Qaumi Zindagi, Makhzan, Lahore, Oct. 1904 quoted by Dr. Javed Iqbal.) The ideals of Iqbal could only be realized through the establishment of a State. According to him, the formation of elected assemblies was Islamic in explanation of the Holy Quran [42:38]. وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

Pakistan has been established as a Sovereign State and there are elected Assemblies to make laws for the country. The duly elected MNAs of Pakistan are, mainly, such persons who are not expected to be trained jurisprudents. Iqbal had also imagined that so he recommended that a Council of

But if ye remit it
By way of charity,
That is best for you
If ye only knew.

Ale-Imran. S.III..130-131

۱۳۰- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ

130. O ye who believe
Devour not Usury,
Doubled and multiplied;
But fear Allah; that
Ye may (really) prosper.

۱۳۱- وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ

131. Fear the Fire, which is prepared
For those who reject Faith:

That from the Quranic verses quoted above, it is clear that recovering any amount in excess to the principal sum, of loan is undoubtedly against injunctions of Islam and to introduce, practise and recover excess amount from the petitioner is directly opposed to the injunctions of Islam. Any amount recovered in excess to the principal sum of loan of Rs. 40.000 under the law is a gross violation of constitutional guarantees given to the petitioner to order his life according to the injunctions of Islam. Reliance in this regard is placed on the illustrious judgment of the august Supreme Court of Pakistan reported in P. L. D. 1989 S. C 613 " Mian Aziz A Sheikh Vs. Commissioner Income Tax Etc."

It is, therefore, respectfully prayed that relevant provisions of law requiring recovery in excess to the principal sum of loan may graciously be declared against injunctions of Islam and relevant Law struck down as in-effective in-operable with immediate effect. It is also prayed that pending final order, an interim injunction may graciously be ordered to stop further recovery from the petitioner as principal sum has been paid long before. It is also prayed that respondent may be directed to refund the amount recovered in excess to the principal sum of Rs. 40.000 to the petitioner.

Sd/xxxxxxxxxxxxxxx
PETITIONER/ADVOCATE

TOLU-E-ISLAM : Should the learned readers be pleased to make comments, write articles or provide guidance to the petitioner, Tolu-e-Islam shall be too pleased to publish their views in these pages, provided reliance is made on the Holy Book of Allah, The Quran.

PLEASE MAKE SURE THAT YOU HAVE RENEWED YOUR SUBSCRIPTION FOR 1991

But Allah hath permitted trade
And forbidden usury.
Those who after receiving
Directions from their Load,
Desist, shall be pardoned
For the past; their case
Is for Allah (to Judge):
But those who repeat
(The offence) are Companions
Of the Fire: they will
Abide therein(for ever).

الرِّبٰوا ۘ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ
وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

276. Allah will deprive
Usury of all blessing,
But will give increase
For deeds of charity:
For He Loveth not
Creatures ungrateful
And wicked.

۲۷۶ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا
وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○

277. Those who believe,
And do deeds of righteousness,
And establish regular prayers
And regular charity,
Will have their reward
With their Lord:
On them shall be no fear;
Nor shall they grieve.

۲۷۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

278. O ye who believe !
Fear Allah, and give up
What remains of your demand
For usury, if ye are
Indeed believers.

۲۷۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

279. If ye do it not,
Take notice of war
From Allah and His Apostle:
But if ye turn back,
Ye shall have
your capital sums:
Deal not unjustly,
And ye shall not
Be dealt with unjustly.

۲۷۹ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○

280. If the debtor is
In a difficulty,
Grant him time
Till it is easy
For him to repay.

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ
فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

Thus from September 1980 to February 1990 the petitioner has made total payment of Rs. 43,199 against principal Loan of Rs. 40,000. That is an excess of Rs. 3,199 paid up to Sept. 1990.

3. That on the strength of law of House Building Finance Corporation the Respondents have to recover another sum of Rs. 32.390 approximately, for the remaining period of re-payment of loan from March 1990 to August 1996 as detailed below:-

Period	No. of Months	Monthly instalment	Total Amount
Oct 90 to Aug 92 Sep 92 to Aug 96	22 48	Rs. 425 each Rs. 480 each	Rs. 9,350 Rs. 23,040
		TOTAL	Rs. 32,390

In this manner the Respondent No. 2 shall recover an approximate amount of Rs. 75,600 against a loan of Rs.40,000. Thus Rs. 35,600 approx. shall be recovered from the petitioner in excess as usury against the principal sum of loan of Rs. 40.000. It many be submitted here that in accordance with Quranic injunctions it is the bounden duty of an Islamic State to provide house/shelter to each and every one without discrimination. Reference is invited to Verse 36 Sura 2 Baqarah and Verse 24 Sura 7 Airaaf, ordaining thereby:-

> " On earth will be your dwelling place, and your means of livelihood for a time."

Again in Verse 118 Sura 20 Taha, Almighty Allah has commanded:-

> " There is there in (enough provision) for thee not to go hungry nor to go naked, nor to suffer from thirst, nor from the sun's heat."

4. That commands of Almighty Allah as laid down in the Holy Quran about extracting any amount in excess to the principal sum of loan are reproduced here with English translation by A.Yusaf Ali:-

No. and Name of Sura English Translation	Arabic Text.
Baqarah S.II 275-280	
275. Those who devour usury Will not stand except As stands one whom The Evil One by his touch Hath driven to madness. That is because they says: "Trade is like usury,."	۲۷۵ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

COPY OF SHARIAT PETITION FILED BY MR. MUHAMMAD IQBAL CHAUDHERY ADVOCATE, LAHORE. IN THE FEDERAL SHARIAT COURT (REGISTRY OFFICE) LAHORE
S.P.NO. 25/1 OF 1990

PETITIONER

Mohammad Iqbal Chaudhery,
Advocate High Court,
22-Toheed Park, Multan Road.
Lahore.

Vs

1. Federation of Pakistan
through
Secretary Law & Parliamentary Affairs,
Govt. Of Pakistan, Islamabad.

2. House Building Finance Corporation.
Finance and Trade Centre, Karachi
through
Managing Director. RESPONDENTS

PETITION. under Article 203-D of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan for a declaration that the amount recovered in excess to the principal amount of loan for house building purpose is against injunctions of Islam and to strike down the relevant provisions of law with further direction to refund the excess amount so recovered.

respectfully sheweth:

1. That the petitioner is a Muslim citizen of Pakistan. He obtained a loan of Rs. 40,000 from the Respondent No. 2 in 1980 for house building as per detailed given below:-

(1) Amount of Loan	Rs. 40,000
(2) Account No.	208-0124-XB
(3) House building Loan application No.	LHR 01756

2. That recovery of loan started from 1st. Sept. 1980 and by June 1987, the petitioner had paid Rs.25,624. A copy of the statement issued by Respondent No. 2 showing position up to June, 1987 is attached as ANNEX. 'A'. Thereafter, from July 1987 to September, 1990 the petitioner has further paid back the loan as follows:-

No. of monthly instalments	Amount of instalment	Total
25	Rs. 380 each	Rs. 9,500
19	Rs. 425 each	Rs. 8,075
	TOTAL	Rs. 17,575

Priesthood (the religious exploiters), the Capitalist (the economic exploiters) and the self-styled rulers of the people (the political exploiters).

Allama Ghulam Ahmad Parwez had so deeply influenced contemporary intellectual thinking that today, almost every intellectual and religious leader prefers to use his terminology like *Qanoon-e-Mukafat-e-Amal* (Law of Requittal), *Nizam-us-Rabubiyyat* (Order of Sustenance), *Nizam-e-Salat* (Order of As-Salat), *Nizam-e-Zakat* (Order of Zakat), *Deen-al-Islam* (previously every body used the word 'Mazhab' which did not convey the real sense of the Socio-Economic System of Islam but only depicted the Biblical sense of the word) in their speeches, writings and Juma congregations frequently, yet ,due to the said propaganda scholars in Pakistan generally refrained from quoting him openly. However it is heartening to note that a young student of history, the author of this treatise, selected him as the subject of research for his thesis for the grant of degree of M.Phil. (History) and submitted his paper to the Quaid-e-Azam University , Islamabad. I congratulate him for carrying out research on the thoughts of one of the most outstanding and distinguished scholars of Islam and also the Quaid-e-Azam University Islamabad for accepting his work .

As the readers would see from the foot-notes added by me (M.O.D), the author has at some places , not been able to comprehend the real essence of Allama Parwez's thoughts. I, as one of Allama Parwez's students, considered it necessary to elaborate on such points in order to eliminate any possible misconceptions. At some other places, the author has taken the liberty of dis-agreeing with Allama Parwez also, which is his right. The only way to correctly judge these points will be by referring to his original writings and form one's own opinion.

As I can visualize, this thesis is only a beginning in Pakistan towards knowing one of the greatest scholars of our time and a unique interpreter of the truths of the holy Qur'an and benefitting from his thoughts. In the near future, many more may tend to explore and carry out research on Allama Parwez's thoughts and his exposition of the holy Qur'an . It is bound to happen because he upheld and served the greatest, the truest and the most comprehensive and pristine book on the face of the earth today, i.e. *Al-Qur'an Al-Azeem* .

Mohammad Omar Draz

AVAILABLE FROM:

1. Annoor Printers & Publishers,
P.O. Box 4190, Lahore-25, Tel:042-275826
2. Maktaba Deen-o-Danish,
Chowk Urdu Bazar, Lahore.
3. Tolu-e-Islam Trust (Regd),
25-B, Gulberg-2, Lahore-II,
Tel: 042-879246

Indian Home Ministry. Allama Parwez, thus, came to assist and advise the Quaid on such matters from 1937 to 1947. He also headed the front put up by the Quaid-e-Azam to combat the anti-Pakistan campaign of the Nationalist Ulema (as henchmen of the Ram-raj oriented Indian National Congress) during the Pakistan Movement Days. It was then that the monthly *Tolu-e-Islam* was restarted in 1938 by Allama Ghulam Ahmad Parwez (this national organ was started by late Sayyid Nazir Niazi in 1935 at the behest of Allama Mohammad Iqbal, but was unfortunately discontinued in 1936).

Allama Ghulam Ahmad Parwez handled this part of the national battle for the achievement of Pakistan so successfully that it provided the Quaid-e-Azam all the time he needed for his own political fronts against the ruling British and the compatriot Hindus. (In recognition of his meritorious services during the Pakistan Movement, Allama Ghulam Ahmad Parwez was posthumously awarded the Pakistan Movement Gold Medal by the Punjab Government in 1989).

In the creation of Pakistan, the Nationalist Ulema had suffered a crushing defeat (almost all of them - excepting a few pro-Pakistan religious scholars like Allama Shabbir Ahmad Usmani, Maulana Ghulam Murshid Khan and Maulana Mohammad Bakhsh Muslim). Since Allama Ghulam Ahmad Parwez was incharge of the front against them, they could never forget this and as such using the mass-media of publicity available to them they made the name Ghulam Ahmad Parwez, *'WET PAINT'* for the Pakistan Muslim masses. Whereas religious thoughts of Allama Ghulam Ahmad Parwez were the topic of papers written for doctorates (Ph.Ds) in the West, (like '*The Authority of the past*' and '*Social Import of Parwez's Religious Thoughts*' - Sheila McDonough- McGill University Canada) and were also the subject of a number of critical studies like "*Modern Koran Interpretation* 1880-1960-- Leiden --- 1968 ; (J.M.S. Baljon Leiden 1968 ; "*Islam and Pakistan* "-Dr. Freeland Abbot, Tuft University U.S.A.; "*Islam in Modern National State*" - E.I.J.Rosenthal, Cambridge University - 1965-- and many others , in Pakistan the name Ghulam Ahmad Parwez became to be taken as something highly resented.

The other reason why the religious heirarchy of Pakistan opposed Parwez was, as stated earlier, his outspoken advocay of 'Qur'an only' as the basic and the undisputed law-giving authority. If accepted and acted upon (for which purpose the struggle for Pakistan was fought and won and which course is the ultimate destiny of the humanity --- 48:28 -- Al-Qur'an), it will bring immediate and exhaustive annihilation of the three institutions dubbed by the almighty Allah as the arch enemies of humanity i.e. the

BOOK COMMENTARY

Name : A Study of Islamic Writings in Pakistan

Author: Mohammad Iqbal Chawla

Publishers : Annoor Printers & Publishers

Pages : 114

Price : Rs. 100/= H.B. RS. 50/= PAPER BACK

Binding : Rexin Binding, Gold Blocked with Dust Cover

ALLAMA GHULAM AHMAD PARWEZ, a distin-guished and outstanding scholar of Islam, was the author of over forty (40) books and hundreds of articles covering almost every aspect of human life analyzed in the light of the holy Qur'an.

The holy prophet (p.b.u.h) declared under command from the real master of the universe:

" I only follow what is revealed to me from my Rabb and this revelation is an illumination and guidance and Rahmat for those who believe in it". (7:203; AL-QUR'AN).

The second caliph of the holy prophet (p.b.u.h),Omar Farooq (may Allah be pleased with him), also declared :

"Sufficient unto us is the Book of Allah" - (The Reconstruction of Religious Thought in Islam - Allama Mohammad Iqbal Oxford Edition, *p.154).*

Taking guidance from the above quoted, Allama Parwez always advocated that the holy Qur'an was the only final decisive authority in all matters of the human life. He said that every-thing else that we have inherited from our predecessors can only be accepted if it was in conformity with the teachings and the injunctions of the holy Qur'an.

When Quaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah took over the leadership of the National Struggle for the achievement of Pakistan, he was very apprehensive, on account of rapidly falling health of Allama Mohammad Iqbal, as to how he would receive the required guidance on the Deeni aspect of Pakistan Movement. When he expressed his fears to Allama Iqbal, the latter assured him that he would find an appropriate counsellor and guide in Mr.Ghulam Ahmad Parwez*, then a civil servant in

---

* Late Mian Bashir Ahmad—*"Allama Iqbal, Quaid-e-Azam Parwez, Mandoodi and Tehrik-e-Pakistan"* by Chaudhri Habib Ahmad, Ed. 1981, p. 165.